تھے اور اب "عدالت و مال" کے ایوان مین کرسی نشین ہین، اونھون نے مدت ہوئی کہ اردو شاعری کے محاسن پر غالباً "اردوئے معلی" کی پہلی ابتدائی جلدون مین ایک مسلسل مضمون لکھا تھا اور ثابت کیا تھا کہ اردو شاعری کی طرف جن معائب کی نسبت کی جاتی ہے اون سے انگریزی بھی معمور ہے، اور پھر مغربی ادبا شاعری کی جو تعریف کرتے ہین اوس معیار پر اردو شاعری بھی پوری اترتی ہے، اور اسی ضمن مین انگریزی اور اردو شاعری کا باہم موازنہ کیا تھا، یہ پورا سلسلہ نہایت پر معلومات اور دلچسپ تھا اور لوگون نے اوسوقت اوسکی بڑی داد دی تھی، اب انوار المطابع لکھنؤ نے اس کو رسالہ کی صورت مین شائع کیا ہے، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، صفحات ۸۰، قیمت ۸/، پتہ، انوار المطابع نمبر ۵۳ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

اولاد کی شادی، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کا اس باب مین کوئی حریف نہین ہو سکتا کہ اونکو اپنے مضامین اور تصنیفات کے لیے خوب خوب عنوانات سوجھتے ہین، اور پیش پا افتادہ باتون سے وہ اوسی طرح کام کی باتین پیدا کر لیتے ہین، جسطرح مٹی کے ڈھیر سے سونا اور روڑون سے موتی نکال لیتے ہین، یہ "بیوی کی تعلیم" کا تیسرا حصہ ہے اسمین اولاد کی شادی مین کن کن باتون کا لحاظ اور کن کن پہلوؤن پر نظر ڈالنی چاہیے اس پر بحث کی ہے، یہ حصہ ہمکو اس سلسلہ کے دوسرے حصون سے زیادہ پُر معلومات، زیادہ عالمانہ اور زیادہ مفید نظر آیا، شرعی، رسمی، دنیاوی، عقلی ہر پہلو سے اولاد کی شادی کے مسئلہ پر خیال آرائی کی گئی ہے اور والدین کو بہترین مشورے دیے گئے ہین، آخر مین ایک طویل فسانہ ہے جسپر کتاب ختم ہو جاتی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، قیمت مجلد عہ/ غیر مجلد عہ، پتہ خواجہ بک ڈپو دہلی،

بانگ جرس، مولوی مسعود علی صاحب بریلوی نے اس نام سے چند قومی نظمون کا ایک مختصر سا مجموعہ شائع کیا ہے، ۱۹ صفحہ کا رسالہ ہے، قیمت ۲/، پتہ مشرقی کتبخانہ لاہور،

راہ و رسم منزلہا، مولوی ابو رشید عبد المجید خان صاحب سالک بٹالوی، زمیندار لاہور کے محبوس اڈیٹر کی چند متفرق نظمون کا مجموعہ، سالک کی قومی شاعری بے مزہ نہین ہے اور قدر دانی کی مستحق ہے، قیمت ۸/، پتہ دار الاشاعہ لاہور،

مجلد دہم | ماہ محرم الحرام ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۲۲ء | عدد سوم

مضامین

شذرات

موسیو **لوی مسینا**، فرانس کے ایک نامور مستشرق ہین، ان کو علوم اسلامیہ مین سب سے زیادہ تصوف سے دلچسپی ہی، اور صوفیہ مین سب سے زیادہ حسین بن منصور **حلاج** سے، اونھون نے حلاج کی ایک تصنیف کتاب الطواسین شائع کی ہی، اور عربی و فارسی مین حلاج کے جس قدر حالات مل سکے ہین، اون کو یکجا کرکے چھپوایا ہی، فرانس کے زمانۂ قیام مین موصوف سے کئی دفعہ ملاقاتین ہوئین، اب انھون نے فرانسیسی زبان مین حلاج پر دو ضخیم جلدین لکھی ہین، جن مین حلاج کے متعلق جس قدر لٹریچر ہے اون سب کو اپنی زبان مین منتقل کیا ہی، اور وحدۃ الوجود وغیرہ تمام مسائل کی اور حلاج کے اقوال کی ایک ایک باب مین تشریح کی ہی، موصوف نے یہ دونون جلدین ہدیۃً بھیجی ہین، لیکن افسوس کہ ان اسرار کو "فرانسیسی صوفی" کے سوا کوئی اور نہین سمجھ سکتا، تاہم جہان تک عنوانات پڑھ سکا اوس سے معلوم ہوتا ہے، کہ مؤلف نے بحث کا استقصا اخیر حد تک کیا ہی، علماء یورپ جو شغف و ذوق ہمارے علوم و فنون کے ساتھ رکھتے ہین، کاش کہ ہم خود اون کے ساتھ رکھ سکتے۔

اس مہینہ کی ڈاک سے برلن سے ایک نیا فارسی رسالہ **ایرانشہر** ہمارے پاس پہنچا ہے، اس کے اڈیٹر آقا حسین **کاظم زادہ** مقیم برلن ہین، کاوہ کے بعد یہ دوسرا رسالہ برلن سے شائع ہوا ہی، بالفعل یہ چھوٹی تقطیع کے ۶۴ صفحون پر نکلا ہی، مضامین تمام تر ادبی ہین، رسالہ نے اپنا مقصد، مشرق و مغرب کو باہم شناسا کرنا ظاہر کیا ہی، ٹائپ کی خوبصورتی اور طبع کی صفائی اس قدر دلنشین ہے کہ رشک ہوتا ہے کہ ہندوستان کیون اس جنس سے محروم ہے، ہندوستان مین اس کی قیمت ایک پونڈ سالانہ ہی

اور پتہ یہ ہی: ایرانشہر، برلن ڈبلو، ۳۰، مارٹن لیوتھر اسٹریٹ، ۵، Berlin W. 30, Martin Luther Street بالفعل ماہوار ہے، آئندہ مہینہ مین دو بار ہو جائیگا، آقا کاظم زادہ نے ایک خط بھی بھیجا ہی، جس مین لکھا ہی کہ قدر شناسان ہند اسکی حوصلہ افزائی کرین، فارسی اب تک ہمارے مدارس اور کالجون مین زندہ ہی، اکثر طلبہ اور بعض اساتذہ فارسی رسائل کا پتہ پوچھا کرتے ہین، ایران سے ڈاک کا سلسلہ منتظم نہین، اسلئے بہتر ہے کہ وہ اس راستہ کی خریداری کرین،

جدید فارسی و عربی رسائل سے جہان اور بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہین، ایک خاص فائدہ یہ حاصل ہوتا ہی کہ جدید اصطلاحات اور یورپین محاورات کیلئے بہت سے نئے الفاظ ہاتھ آتے ہین، "ماسٹر پیس" کے لیے اردو مین کسی نے "ادب عالیہ" کا لفظ استعمال کیا، **مہدی** مرحوم اس کا ترجمہ ہمیشہ "اختراع فائقہ" کیا کرتے تھے، اور اون کی پیروی مین اور لوگ بھی یہ لفظ بولنے لگے ہین، ایرانشہر نے اس کے لیے "شاہکار" کا لفظ استعمال کیا ہے، جو ہمارے خیال مین دوسرے الفاظ سے زیادہ لطیف و نازک اور اردو کے مزاج کے مناسب ہے،

دولت آصفیہ **دکن** نادر عربی تصنیفات کے نشر و اشاعت کی جو خدمت دائرۃ المعارف کے ذریعہ سے انجام دے رہی ہے، اوس کا اعتراف نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام بلاد اسلامیہ مین کیا جا رہا ہی، علوم حدیث اور خصوصاً اسماء الرجال کی جس قدر کتابین اس صیغہ سے شایع ہوتی ہین، وہ کہین دوسری جگہ نہین ہوئی ہین، اس وقت تک دائرہ نے مختلف علوم و فنون کی ۸۴ ضخیم کتابین شائع کی ہین جنمین علم کلام، تصوف، تفسیر، حدیث، ادب، لغت، صرف و نحو، تاریخ، اسماء الرجال کی کتابین داخل ہین، ابھی حال مین وہان سے امام حاکم کی **مستدرک علی الصحیحین** جو علم حدیث کی ایک نادر الوجود تصنیف ہی،

چھپکر شائع ہوئی ہی، ابھی بالفعل پہلی جلد چھپکر تمام ہوئی ہی اور دوسری جلد زیر طبع ہی، امام یافعی کی مرآۃ الجنان تاریخ وفیات مین بہترین تصنیف ہی، اسی سال وہ دائرہ سے چار جلدون مین چھپکر شائع ہوئی ہی، اس سے پہلے سال علامۂ ذہبی کی مختصر تاریخ دول اسلام چھپکر نکلی تھی۔

——— + ———

جناب مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی ناظم آثار قدیمہ، سرکار عالی (حیدر آباد دکن) اپنے ایک نوازشنامہ مین مطلع فرماتے ہین کہ اون کے ذاتی کتبخانہ مین کچھ قلمی نوادر موجود ہین، منجملہ اون کے ایک "مصباح المتہجد" فقہ شیعہ مین ایک کتاب ہی، اوس کے مصنف علامہ شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی ہین، یہ مشہور قدیم مصنف ہین، اور بہت سی تصنیفات یادگار ہین، مثلاً تفسیر طوسی، مجمع البیان، معلوم القرآن تہذیب الاحکام، استبصار، مبسوط، نہایہ، وغیرہ، انکی سب سے مشہور تصنیف، فہرست کتب الشیعہ ہے، جو بنگال ایشیاٹک سوسائٹی سے چھپکر شائع ہوئی ہی،

——— * ———

مصباح المتہجد کا قلمی نسخہ درحقیقت متعدد حیثیات سے نادرۂ روزگار ہی، یہ نسخہ صفر ۵۰۵ھ کا لکھا ہوا ہے، اور بجائے سیاہی کے شیرۂ خرما سے اس کی کتابت ہوئی ہی، خط خالص عرب ہی، آخری خلیفۂ بغداد المستعصم باللہ کے مشہور وزیر محمد بن علقمی کی فرمایش سے یہ نسخہ تیار ہوا تھا، اور خود ابن علقمی کے ہاتھ کے دستخط اوسپر ہین، علاوہ برین متعدد اکابر علمائے شیعہ کی نظرون سے یہ نسخہ گذر چکا ہی، چنانچہ شہید اول محمد بن مکی، شہید ثانی زین الدین اور ملا محمد باقر مجلسی کے حواشی اوسپر ثبت ہین، اس نسخہ مین خط کی بھی بعض خصوصیات ہین، مثلاً اضافت کے لیئے یہ (٦) علامت اور علامات جو اس طرح (۲۲) استعمال کئے گئے ہین، بعض مقامات پر لفظ الف فیھما، اس طرح لکھا ہوا ہی، جس مین کوفی خط کی شان ہی، کاف پر مرکز نہین بنایا گیا ہی، مثلاً ارکان، کل، برکات کو اس طرح لکھا گیا ہی، ارکان۔ کل۔ برکات،

جنگ عظیم سے قبل یورپ کی آبادی مین مرد و عورت کے درمیان ۱۰۰۰ اور ۱۰۳۸ کا تناسب تھا، اب یہ تناسب آبادی ۱۰۰۰ اور ۱۱۱۱ کا ہو گیا ہی، آخری اعداد کے بموجب یورپ مین مردون کی کل آبادی ۲۲۵۰۰۰۰۰۰ ہے اور عورتون کا مجموعی شمار ۲۵۰۰۰۰۰۰۰ ہی، گویا اناث کی تعداد بمقابلہ ذکور کے بقدر ۲½ کرور کے زاید ہی! جو عقلاء وقت، وحکماء عصر اسلام کے جواز تعدد ازدواج کو خلاف عقل وخلاف فطرت ارشاد فرماتے رہتے ہین، وہ براہ کرم ان ڈھائی کرور فاضل عورتون کے لئے موافق عقل ومطابق فطرت پارسایانہ زندگی کا کوئی طریقہ ایجاد فرمائینگے؟

——— ٭ ———

اسی "موافق عقل" و"مطابق فطرت" طرز معاشرت کے نتائج کے سلسلہ مین یہ خبر بھی دلچسپی سے سنی جائیگی کہ الینوئیس (امریکہ) کی عدالت عالیہ، صیغۂ طلاق کے جج، مسٹر سیبتو کے سامنے دو سال کے عرصہ مین ازدواجی زندگی سے متعلق ۶۵۰۰ مقدمات پیش ہوئے، اور ان مقدمات کی نوعیت، نیز اون کی کثرت کا بار اون کے دماغ پر اسقدر پڑا، کہ بالآخر اونھین سستانے کے لیئے ایک طویل رخصت لے لینا پڑی ہی،

———

غفلت وبےحسی کی انتہا یہ ہی، کہ ہمارے ہموطن وہم قوم اس قسم کے واقعات ہر روز سنتے اور دیکھتے رہتے ہین، پھر بھی حیرت نہین، اور جس لیلائے تہذیب کی یہ کرشمہ سازیان ہین، بدستور اوسی کے مجنون ومفتون بنے ہوئے ہین! لڑکون کے اخلاق اگر غارت ہوتے ہون، لیکن انگریزی کالج کی سند ضرور ہاتھ آجائے، لڑکیون کی عصمت وشرافت اگر خطرہ مین پڑتی ہو تو پڑے، لیکن اونکا انگریزی تلفظ بہرحال "میم صاحبون" کا سا ہونا چاہیئے، دولت، صحت وسکون قلب اگر گھرانون سے رخصت ہو رہا ہو، تو ہو، مگر اس ننگ کو کیونکر گوارا کیا جاسکتا ہی کہ خاندان کا کوئی رکن، حکومت وقت کے کسی

(بقیہ شذرات صفحہ ۲۴۳ پر دیکھیے)

مقالات

انسان اور اُسکی کمزوریان

از

مولوی عبدالرحمن نگرامی، ندوی صدر مدرس مدرسہ جامع مسجد کلکتہ

عجائب زار ہستی کی یہ عجیب ترین مخلوق انسان طرح طرح کی متضاد اور مخالف قوتون کا مجموعہ ہے، عالم کائنات مین اسکا سر جتنا ہی بلند ہے اتنا ہی عالم تخلیق مین وہ پست ہے۔ وہ اپنے آپ کو جسقدر قوی، مضبوط، اور اونچا جانتا ہے اسیقدر وہ اپنی خلقی کمزوریون کے لحاظ سے ضعیف، ناتوان اور نیچا ہے، بے شبہ اسکی عقلی، ذہنی، اور دماغی قوتون کا تفوق سب سے بالاتر ہے لیکن اس کے اس تفوق کی عمارت کچھ ایسی بنیادون پر قائم ہے کہ ذرا سی ٹھیس تمام عمارت کو تہ و بالا کر دے سکتی ہے، ایک انسان جو آج سوسائٹی مین اپنی اخلاقی فضیلتون کے باعث نامور اور قابل تعریف ہے کل وہ ایک معمولی سی غلطی پر سب کی آنکھون مین کھٹکنے لگتا ہے، اسکی طرف انگلیان اٹھنی شروع ہو جاتی ہین اور وہ شرم و ندامت سے اپنی مجلسون مین سر نہین اٹھا سکتا،

مذہبی طور پر اسکی ان کمزوریون کی اصلاح دو طریقون سے کی جا سکتی ہے یا تو بیشمار برائیون کے لئے بے شمار ممانعتین اور ہدایتین دی جائین، اور یا چند ایسی بنیادی برائیون پر انسان کو مطلع کر دیا جائے جنکی اصلاح سے سینکڑون مفاسد کا سدباب ہو جائے۔ ذیل مین چند ایسی چیزون کا ذکر کیا جاتا ہی جنکو قران کریم نے خاص طور پر انسانی طبیعت کی کمزوریون مین شمار کرایا ہے اور جنکے متعلق بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ ہماری معاشرتی کوتاہیون اور نہ صرف ہماری آپس کی کوتاہیان بلکہ ہمارے بہت سے وہ قصور جو متعلق بہ عبدیت ہین

انھین کمزوریون سے پیدا ہوتے ہین اور اگر ہم اپنے مشغول اور سراپا تمنا و آرزو اوقات عمر عزیز مین سے چند لمحہ اپنی ان خلقی حالتون پر غور کر لیا کرین تو بڑی اُمید ہے کہ ہمارے نفوس کی بہت سی برائیون کا علاج ہو جائے اور اکثر ہمارے درمیان پیدا ہونیوالے جھگڑے، ایک دوسرے سے بدگمانی اور ذات باری تعالیٰ کے متعلق بہت سی بے ادبیون کا خاتمہ ہو جائے۔

یہی انسان کی کمزوری ہے جو گناہون کا سرچشمہ، برائیون کی بنیاد، اور بدکاریون کی جڑ ہے، دوسری حیثیت مین اگر انسان کے لئے پیغام رحمت، وسیلہ عفو، اور آئینہ تخفیف تنگی ہے یُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۔ خدا چاہتا ہے کہ تمہارے بار کو ہلکا کر دے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے،

انسان اپنی اصلی حالت مین، انسان کو اگر تعلیم و تربیت سے علحدہ کر دیا جائے تو وہ صرف ایک مستقیم القامت حیوان باقی رہجائیگا۔ اکبر نے گنگ محل بنا کر فطرت انسانی کا جو تجربہ کرنا چاہا اگر وہ تاریخی تحقیقات سے ثابت ہے تو اس کے ثبوت کیلئے کافی ہے، اسیطرح محض علم و عقل پر اگر اسکی حیات اور معیشت کا مدار رہے تو اس کے الحاد اور سرکشی کا وہ عالم ہوگا جسکا نمونہ قریب قریب سارے یورپ مین نظر آرہا ہے، ہان وحی والہام کی آبیاری، فطرت کا فیض، بارگاہ قدس کی مہربانیان، اسکا ساتھ دین تو وہ تمام فضائل کا، خوبیون اور اخلاق کا مجسمہ بنجائے، اسکی اصل خلقت ہر قسم کے رنگ روپ، اور نقش و نگار سے عاری ہے، اسکو اسی حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ دنیا کی سب سے زیادہ خوار و ذلیل مخلوق ہو جائے، جو حال وقت اور زمانہ کا ہے کہ خود اس کے اندر کوئی خوبی نہین حالات اور کیفیتون کے اعتبار سے زمانہ کو البتہ اچھا اور برا کہا جا سکتا ہے بعینہٖ یہی حال انسانون کا ہے، کہ جب تک وہ وحی والہام کا دامن تھامے رہیگا بھلائی اس کے حصہ مین رہیگی وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ زمانہ شاہد ہے کہ انسان (اپنی خلقت کے اعتبار سے) نقصان محض مین ہے، یہ سورہ مبارک جسطرح تاریخی اور سیاسی عبرت ہے ٹھیک اسی طرح ایک اصولی اور اخلاقی تعلیم ہے۔

عجلت پسندی عجلت انسان کے خمیر مین ہے، جوش، اشتعال، مسرت، اور غیظ و غضب کے بحران مین وہ کیا نہین کر گذرتا سکون ہوتے ہی ان مختلف جذبات کے نتیجہ مین اسے ندامت اور شرمندگی ہی ہاتھ آتی ہے ہماری موجودہ تحریک آزادی کتنی صعوبتون تکلیفون، اور قربانیونکی طلبگار ہے حصول مقصد کیلئے رفتار کار کے مطابق مدت بھی درکار ہے یہ سب کچھ ہے مگر کارکن نوجوان، غفلت شعار ہشیار کس قدر جلدی چاہتے ہین، اپنا تو یہ حال ہے ادھر فریق غالب طاقت کی بدمستی مین پکارتا ہے کہ اگر خداوندی طاقتین برحق ہین تو وہ جلد سے جلد کیون نہین ظاہر ہوتین اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ کیا وہ ہمارے عذاب کے بارے مین جلدی کرتے ہین

بسا اوقات عالم یاس مین لوگ کسی مصیبت ناگہانی، اتفاقی موت، یا آسمانی حادثہ کی دعائین مانگنے لگجاتے ہین یہ انکی پست ہمتی، بے صبری اور زود پسندی کا نتیجہ ہے وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهٗ بِالْخَیْرِ وَکَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا انسان بھلائی کی طرح اپنی برائی کے لئے بھی دعا کرنے لگتا ہے کیونکہ انسان عجلت پسند ہے،

اضطراب و اعراض ہر طبقہ کے انسان اپنے مرتبہ و منصب کے مطابق مصائب مین مبتلا ہوتے ہین غربا کیلئے فکر و عیال، امرا کیلئے خوف مال، حکومتون کو اندیشۂ زوال، ع جن کے رتبے ہین سوا ان کو سوا مشکل ہے، سب ہی اپنی اپنی مصیبتون مین خدا کو پکارتے ہین حد ہوگئی کہ الحاد زار یورپ مین بھی کبھی کبھی اسکی جھلک نظر آجاتی ہے جرمنی کا خطرہ پیش آیا تو انگلستان کے گرجے، ہندوؤنکے مندر، اور مسلمانون کی مسجدین ہر ملت و مذہب کی عبادت گاہین سرکاری طور پر دعا کے لئے منتخب کی گئین مصیبت مین یہ عاجزی و انکسار اور دفع مصیبت کے بعد ہی یکقلم خداوندی حقوق کا انکار یا للعجب، وَاِذَا اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَاءٍ عَرِیْضٍ - جب ہم انسان پر اپنی نعمتین نازل کرتے ہین وہ اعراض کرتا ہے اور اپنا پہلو بچاتا ہے اور جب مبتلائے مصیبت ہوتا ہے تو لمبی چوڑی دعائین مانگنے لگتا ہے،

دو عجیب حالتین عالم یاس کی دعا، اور حالت ثروت کا اعراض بھی کیسا عجیب ہے، ایک وقت

تو انسان ناامید اور دوسرے وقت امید سے سرشار ہوتا ہے ایشیا مین بہت کم اور یورپ مین بہت زیادہ خودکشی کے جو واقعات روزمرہ پیش آتے رہتے ہین وہ اکثر پہلی حالت کا نتیجہ ہوتے ہین دوسری حالت کم و بیش دونون براعظمون مین اور خصوصیت کے ساتھ ہمارے ملک مین بیشتر پائی جاتی ہے، غربت و فلاکت کی زندگی بسر کرنے کے بعد دیکھا گیا ہے کہ حسن اتفاق، یا قوت بازو سے بہتون نے انفرادی طور پر دولت پیدا کرلی لیکن دولت کے حاصل ہوتے ہی، خدا، انسان، اقربا، قوم، مذہب سب کے حقوق بھول جاتے ہین۔ ان دو حالتون پر بڑی احتیاط سے نظر رکھنا چاہئے کہ بڑا حصہ دنیا کے گناہون کا انہین دو کیفیتون کے علحدہ علحدہ طور سے پائے جانے یا باہمی امتزاج سے پیدا ہوتا ہے، وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَیَئُوْسٌ کَفُوْرٌ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَیَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ - اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے کوئی رحمت دیتے ہین پھر اس سے نکال لیتے ہین تو پھر وہ ناامید اور ناشکرا بنجاتا ہے اور اگر تکلیف کے بعد اسے آرام نصیب ہوتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ اب تو میری سب تکلیفین رفع ہوگئین وہ خوشی سے پھولا نہین سماتا اور فخر سے بھر جاتا ہے،

الزام اسی طرح انسان نتائج کو اپنے اعمال کی سزا نہین سمجھتا بلکہ کشائش رزق اور تنگی و ضیق کی حالت کو دو عجیب و غریب اثرات کی طرف منسوب کرتا ہے فراوانی رزق کو اپنی خوبی پر محمول کرتا ہے جس کے باعث پروردگار عالم اسکی تعظیم کرتا ہے تنگی رزق پر ناخوش اور خفا ہوتا ہے، فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَکْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْ اَکْرَمَنِ وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْ اَهَانَنِ انسان کو جب اسکا پروردگار آزماتا ہے اس پر کرم کرتا ہے نعمتین دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری تعظیم کی اور جب اسے آزمائش مین ڈالتا ہے روزی تنگ کردیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری توہین کی،

خودی کا تماشہ انسان اپنی بہتری کا اتنا خواہان ہے کہ کسی حال مین بھی بھلائی کی دعا اور نیکی کی طلب سے نہین تھکتا لیکن اگر کہین ذرہ برابر بھی اسکی خواہش کے خلاف کوئی امر واقع ہوا تو اس کی امیدون پر اوس پڑجاتی ہے وہ اپنے مقام پر یاس و نا اُمیدی سے جم کر رہجاتا ہے گویا کہ عمل وفعل کی دنیا سے اسے کوئی لگاؤ ہی نہین - حالات کا رخ بدلا - زمانہ موافق ہوا، مصائب کا بادل چھٹا تو وہ اس کو بھول کر کہنے لگتا ہے کہ یہ جو کچھ ہوا میرے زور بازو اور قوت عمل سے ہوا

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاۗءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ۔ وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ - انسان کبھی بھلائی کی طلب سے نہین تھکتا مصیبت آتی ہے تو وہ مایوس اور نا اُمید ہوجاتا ہے اور مصیبت کے بعد جب راحت آتی ہے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ جو کچھ ہے وہ میرے سبب سے ہے

ناشکری ان مختلف کیفیتون کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان کے دل سے خداوند عالم کی نعمتون کا اعتراف اور اس کے انعامات بیکران کا اقرار محو ہوجاتا ہے اور وہ بندۂ ناشکر گذار بنجاتا ہے عموماً ناشکر گذاری نا اُمیدی کے بعد پیدا ہوتی ہے اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ - وہ انسان مایوس اور ناشکر گذار ہوجاتا ہے، اور یا جب انسان مصائب کے دام سے آزاد ہوکر عارضی خوشحالی مین گھر جاتا ہے تو اسے خدا کی سب سے بڑی عبادت بھی ناشکر گذاری نظر آتی ہے - قرآن مجید مین بطریق مثال بیان کیا گیا ہے کہ لوگ دریائی سفر اختیار کرتے ہین، طوفان آتا ہے، کشتی گرداب فنا مین چکراتی ہے - اضطراب کی حالت مین دعا کے لئے ہاتھ اُٹھ جاتا ہے، لیکن فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا پھر جب ان کو خشکی کی طرف نجات دیدی تو اعراض کرنے لگے ہو کیونکہ انسان ناشکر گذار ہے،

اجتماعی کیفیت انسان کی آرزوؤن اور تمناؤن کے نتائج مختلف اشکال، حرص وطمع، جزع و فزع، منع وبخل، کی صورت مین پیدا ہوتے ہین - تنگدستی کے وقت فلاح کے لئے لمبی لمبی دعائین منتون کا انبار، نذر و نیاز کا تپشارہ - خیرات کی فراوانی نظر آتی ہے مگر مقصود کے حاصل ہوتے ہی اندیشۂ فردا، خیال مستقبل، بچون کا فکر آگھیرتا ہے، اس وقت تکمیل منت تو درکنار معمولی سے معمولی انواع صدقات بھی بند ہوجاتے ہین - اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا - وَّاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا - وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا - انسان حریص پیدا کیا گیا ہے مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے، دولت ملتی ہے تو صدقات سے رُک جاتا ہے،

بخل شاید انسان کی کمزوریون مین اس سے زیادہ عام اور اس سے زیادہ دقیق کمزوریان دوہی ایک ہون بخل کی کتنی ہی شکلین ہین جو سخاوت، و اسراف، کی حالت مین بھی پوشیدہ رہتی ہین - صلۂ رحمی، سلوک عام، شخصی احسان، قومی چندے، الغرض سب شاخین انسان پوری کرتا ہے لیکن نفس اس خرچ پر اپنی تنگی ہی ظاہر کرتا رہتا ہے - دل ایک قسم کے کرب اور بیچینی مین مبتلا رہتا ہے ان سب سے بالاتر فکر فردا، اسے اس بری طرح ستاتا ہے کہ وہ زر وسیم کے انبار رکھتا ہوا بھی افلاس و تنگدستی کو ڈرتا رہتا ہے اور باوجود ہر قسم کی کثرت وثروت کے خرچ کرنے کے وقت مال کے ہاتھ سے نکلجانے کا کم سے کم ایک ہلکا سا رنج ضرور محسوس کرتا ہے -

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَاۗىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا كہدو کہ اگر تم لوگ خزائن رحمت پروردگار کے مالک بنادئے جاؤ تو بھی خرچ ہوجانے کے ڈر سے بخل کروگے انسان بڑا ہی بخیل اور کم خرچ ہے،

بیباک نادانی عالم کی بنیاد موسیقیت پر قائم ہے، موسیقیت عالم محبت کی ایک شیرین ترین مخلوق ہے، موسیقیت کبھی خاموش ہے اور کبھی گویا انسان ان دونون حالتون کا مجموعہ ہے وہ فطرۃً سادہ اور بیباک ہے سادگی اسے ہر خوشنما اور دلفریب صورت کا شیفتہ بنادیتی ہے،

اور بیباکی اسے خطرات مین گھیر دیتی ہے۔ دنیا کا پہلا انسان پیچیدگیون اور دغاشعاریون کی آزاد تھا لیکن اس کی بیباکیون نے اسے زمین پر پٹک دیا، اور سادگی نے عقل کے جال مین پھنسا دیا جس بار کو آسمان وزمین نے نہ اٹھایا، نادان انسان نے اسے خوشی کے ساتھ اٹھالیا،

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔ اس کو انسان نے اٹھالیا وہ نادان اور بیباک تھا۔ بیباکی حد پر ٹھری رہتی ہے تو وہ کرشمۂ محبت رہتی ہے اور حد سے بڑھجاتی ہے تو ناشکری اور سرکشی بنجاتی ہے، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۔ انسان بیباک اور ناشکر گذار ہے،

دوسری سرکشی | ایک سرکشی تو یہ ہے جس کی بنیاد نادانی وبیباکی ہے دوسری صورت سرکشی کی اس سے زیادہ سخت اور شدید ہے جو انفرادی صورتون مین بداعمال تعلیش اور اتلاف حقوق کا موجب بنتی ہے اور اجتماعی حالات مین ایک ظالم حکومت اور جابر سلطنت کے جامہ مین ظاہر ہوتی ہے، دولت انسان کی آنکھون کو خیرہ کردیتی ہے، اور تھوڑی سی رزق کی کشادگی، اسے اپنے معبود اور معبود کے قانون سے بھی الگ کردیتی ہے،

كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۔ انسان اپنے آپ کو غنی دیکھکر سرکشی پر آمادہ ہوجاتا ہے

تین چیزین | بااین ہمہ اظہار استغنا، انسانی طبیعت تمول کی خواہشمند اور دولت کی طلبگار ہے اور اس طلبگاری کے ساتھ ساتھ خدا کا ناشکر گذار اور اپنی ناشکر گذاری کا ناقابل جرح گواہ ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۔ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۔ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؛

انسان اپنے پروردگار کا ناشکر گذار اور خود اسپر گواہ اور مال کا سب سے زیادہ چاہنے والا ہے،

کشمکش | انسان جو اپنی خلقت کے لحاظ سے کمزور، پیدائش کے اعتبار سے نازک، جسم و توانائی مین نحیف لیکن اس کی ہر آن ایک کشمکش عام کے لئے وقف ہے اسکی زندگی کا مدار معیشت کا انحصار اسی تصادم پر ہے تصادم جتبک قائم ہے زندگی کا سانس چلتا ہے تصادم ختم ہوگا

اور موت کی گہری نیند طاری ہوگئی لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۔ ہم نے انسان کو ایک مشقت مین ڈالکر پیدا کیا (دائم پابند مشقت ہے)

جدال ونزاع | کشاکش کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان، مقابلہ اور مجادلہ کے لئے تیار رہے، مقابلہ ہی ضد نے ہٹ دھرمی، اور عصبیت بیجا کے رذائل پیدا ہوتے ہین یہی باعث ہے کہ جب کبھی اس کے سامنے کوئی بھلی اور نیک بات پیش ہوگی وہ نزاع کے لئے طیار ہوگیا وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۔ انسان سب چیزون سے زیادہ جدل پسند ہے،

آغاز وانجام | کمزوریون کے ہوتے ہوئے بھی انسان کی فطرت اپنی ابتدا مین صالح اور نیک بھی گئی ہے طرح طرح کی آلائشین، گردوپیش کے واقعات، دنیا کی مصروفیتین اسکی نیکی کو دباتی ہین اور برائی کے پردۂ تاریک سے ڈھانپ دیتی ہین۔ ہان وحی والہام کی اعانت۔ ایمان اور عمل ہی ایسی چیزین ہین جو انسان کی یاوری کرسکتی ہین، لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۔ ہم نے انسان کو اچھی حالت مین پیدا کیا پھر اس کو نہایت پست درجہ کی طرف لوٹا دیتے ہین مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہون نے عمل صالح کیا ان کے لئے لازوال اجر ہے!!

بقیہ شذرات صفحہ ۱۶۵

علمی عہدہ پر فائز نہین! جب ان دانشمندون سے سوال کیا جاتا ہے، کہ مغربی ڈگریون اور امتحانات، مغربی تعلیم وتربیت، مغربی تہذیب وشائستگی کے ساتھ یہ شیفتگی کس بنا پر، اور کن اغراض کے حصول کے لئے ہے، تو ان کے دلائل کا ترکش تیرون سے خالی نکلتا ہے، اور ان کے اس طرز عمل کی کوئی توجیہ بجز اسکے سمجھ مین نہین آتی، کہ موجودہ نسل سے قبل والی نسل کی آنکھین سحر سامری کی جگمگاہٹ سے جو خیرہ ہوگئی تھین، وہی مرعوبیت آج تک مسلط ہے، سانپ اگرچہ جاچکا ہے، لیکن دلون پر دہشت اسقدر غالب ہے، کہ اسکی کینچلی کو بھی ہاتھ لگاتے ہوئے دل لرزتا ہے،

الکندی اور اس کا فلسفہ[1]

از

مولوی معتقد ولی الرحمن صاحب ایم۔ اے لاہور

فیلسوف العرب ابو یوسف یعقوب بن اسحٰق الکندی عرب والدین سے کوفہ[2] مین تولد ہوا، وہ اپنا سلسلۂ نسب قدیم کندی رؤساے یمن سے ملایا کرتا تھا۔ اس کا باپ خلفاء مہدی و رشید کے زمانہ مین کوفہ کا والی تھا۔ اس کے آبا و اجداد سب کے سب کسی نہ کسی صوبے کے حاکم رہے چنانچہ اس کا دادا قبیلہ کندہ پر حکمران تھا۔ اگرچہ بعد مین وہ حکومت سے دست بردار ہو کر آنحضرت صلعم کے صحابہ کے زمرہ مین شامل ہو گیا۔ اس کا پردادا بنو حارث اصغر پر حاکم تھا۔ اس کے آبا و اجداد کی حکومت ایسا امر واقعی ہے کہ جسمین کسی قسم کے شک و شبہہ کی گنجائش نہین۔ تمام عرب مورخین اور مغربی مستشرقین اس باب مین متفق ہین (ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء ابن القفطی جرمن ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۶۷۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء۔ ابن ابی اصیبعہ۔ مطبوعہ مصر ۱۸۸۲ء صفحہ ۲۰۷۔ عربستان کی ادبی تاریخ مصنفہ مسٹر نکلسن صفحہ ۳۶۱) تعجب ہے کہ ڈی بوئر ایسا عالم متبحر اور فاضل مستشرق اس کو مانتے ہوے ہچکچاتا ہے (ملاحظہ ہو تاریخ فلسفۂ اسلامیہ مطبوعہ لندن ۱۹۰۳ء صفحہ ۹۷) افسوس اس امر کا ہے کہ فاضل موصوف نے اپنے اس عقیدہ کے ثبوت مین کوئی دلیل پیش نہین کی۔ لہذا دیگر مورخین کے اتفاق آرا کے ہوتے ہوے یہ ماننا ہی پڑیگا کہ وہ واقعی اس عزت کا حقدار ہے جسکو وہ اپنی طرف منسوب کرتا ہے، اس نے اپنی تعلیم کچھ بصرہ

[1] یہ مضمون انگریزی زبان مین بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ کے سہ ماہی رسالہ بابت جنوری ۱۹۲۱ء مین شائع ہو چکا ہے اب اسپر نظرثانی اور کچھ اضافہ کرکے ہدیہ ناظرین معارف کیا جاتا ہے،

[2] فان ڈایک نے بصرہ اسکا مولد قرار دیا ہے (اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع صفحہ ۱۰۱) مگر اور تمام تاریخ نگار کوفہ ہی کا نام لیتے ہین۔ اسمین شک نہین کہ اسکا وطن بصرہ تھا۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہین نکالا جاسکتا کہ وہ وہین پیدا بھی ہوا۔ برخلاف اسکے کوفہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ جیسا ہکو معلوم ہوا اسکا باپ کوفہ کا والی تھا۔ لہذا فان ڈایک کا بیان صریحًا غلط معلوم ہوتا ہے۔

مین حاصل کی مگر تکمیل اسوقت تک نہ کر سکا جب تک کہ اس نے اس وقت کی تہذیب و تمدن کے مرکز یعنی بغداد کی زیارت نہ کر لی۔ بغداد کی آب و ہوا اور وہان کے علم و فن کا چرچا اس کو کچھ ایسا بھایا کہ یہین سکونت اختیار کر لی۔ یہان بہت جلد اس کے علم و فضل کا شہرہ ہو گیا۔ آہستہ آہستہ خلیفہ معتصم تک اس کی تعریف پہونچی۔ چنانچہ اس نے فورًا اس کو یونانی کتب کو عربی مین ترجمہ کرنے کی خدمت پر بلا لیا۔ یہان ان یونانی تصانیف کو دیکھ کر اس کی آنکھین کھل گئین۔ وہ یونانیون کی تہذیب اور انکے علم و فن سے اسقدر مرعوب ہوا کہ ان کی مدح سرائی شروع کر دی۔ دوسری طرف عباسیون کے دربار کی شان و شکوہ نے اس کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ قدیم عربی تہذیب و تمدن کے مقابلے مین ایرانی تہذیب کو ترجیح دے،

افسوس ہے کہ اس کے اوائل عمر کے حالات سے ہم بالکل واقف نہین۔ اس لیے یہ نہین کہا جاسکتا کہ وہ معتصم کے دربار مین کب تک رہا۔ مگر ان مختصر کوائف سے جو عرب مورخین نے اتفاقًا محفوظ رکھے ہین ہکو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دربار مین صرف ترجمہ ہی کا کام اس کے ذمے نہ تھا۔ بلکہ اور تراجم کی نظرثانی اور ان کی اصلاح بھی اسی کے سپرد تھی۔ اس کے علاوہ شاہی منجم طبیب اور مالگزاری کے افسر کی خدمات بھی بجالاتا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قابل رشک رتبہ پر ہمیشہ نہ رہ سکا خلیفہ متوکل کے زمانے مین علماء دین کا زور ہوا۔ اور زنادقہ اور ملاحدہ کا استیصال شروع ہوا۔ الکندی بھی چونکہ فلسفی مشہور تھا اس لیے اسکو بھی اسی الزام مین ماخوذ کیا گیا۔ اور اس کا بیش بہا اور نادر کتب خانہ بحق سرکار ضبط ہوا۔ جو اس کی اپنی اور خلیفہ کی موت سے کچھ دنون قبل تک واپس نہ ملا۔

افسوس ہے کہ الکندی کی تاریخ وفات سے ہم واقف نہین، وجہ یہ ہے کہ عرب مورخین نے اس غریب کیطرف سے بہت بے اعتنائی برتی ہے۔ اور دوسری طرف شامت یہ ہے کہ اس کی تصانیف تقریبًا سب ناپید ہین۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی موت کے وقت

وہ دربار کیطرف سے معتوب تھا۔ یا کم از کم اپنے قدیم عالی رتبہ پر متمکن نہ تھا۔ حیرت یہ ہے کہ مسعودی بھی جو اس کا اس قدر مداح تھا اس باب مین بالکل خاموش ہے۔ ڈی بوئر کا خیال ہے کہ وہ ۸۶۰ء کے بعد تک زندہ تھا (صفحہ ۹۹)

جنوبی عرب کا قبیلہ کندہ دیگر ہمعصر قبائل کی نسبت تہذیب و تمدن مین بہت کچھ آگے تھا اس لحاظ سے ابو یوسف کا اس قبیلہ سے ہونا کچھ تعجب خیز نہین۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب اسکے وجود پر نازان تھے، چنانچہ اس کو دیگر عجمی فلاسفہ سے ممتاز کرنے کی غرض سے اس کو فیلسوف العرب کہا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ وہ درشت خو اور جنگجو عرب مین یگانۂ عصر تھا اس لیے وہ لوگ اسپر جتنا بھی فخر کرتے کم تھا۔ چنانچہ بہت جلد اس کا تبحر علمی۔ اور فلسفی تربیت ضرب المثل ہو گئی۔ اسکو خود بھی فلسفہ سے اسقدر شغف تھا کہ اس زمانے مین سوائے اس کے اور کوئی فلسفی کہلانے کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا۔

اس کے بہار آفرین قلم نے جس میدان مین بھی آبریزی کی ہے وہان وہ وہ گل کھلائے کہ باید و شاید وہ نہایت حیرت انگیز اور غیر معمولی دماغ کا شخص تھا، ہر مضمون کو خواہ وہ کتنا ہی سنگلاخ ہو پانی کیطرح بہا دیتا تھا، ہر موضوع پر نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کر سکتا تھا ابن ندیم نے اس کی تصنیفات مین سے ۲۴۰ کے نام درج کیے ہین۔ جن مین سے اکثر ارسطو کی تصانیف کی شرحین ہین۔ اس کی تصانیف کی تعداد بقید مضامین حسب ذیل ہے۔

کتب فلسفیہ	۲۲	احکامیات	۱۶
منطقیہ	۹	جدلیات	۱۷
حسابیات	۱۱	نفسیات	۵
کریات	۸	سیاسیات	۱۱
موسیقیات	۷	احداثیات	۱۴
نجومیات	۱۹	ابعادیات	۸
ہندسیات	۲۳	تقدمیات	۵
فلکیات	۱۲	انواعیات	۲۳
طبیات	۲۲	(الفہرست ابن ندیم جرمن ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۷۱ء صفحہ [illegible])	

مگر ان تصانیف کے نامون اور ان کے موضوع پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کا دماغ اختراعی نہ تھا۔ وہ علوم متداولہ پر حاوی تھا۔ اس لیے جو کچھ اس نے لکھا وہ گویا ان کا پرتو یا نقش ثانی تھا۔ مثلاً دینیات مین وہ معتزلہ کا پیرو ہے۔ ان ہی کے زیر اثر اس نے انسان کی قدرت عمل اور اس کے ظہور کے وقت پر بہت کچھ طبع آزمائی کی ہے، اس کے ساتھ ہی یہ ایک عجیب بات ہے کہ بعض عقائد و خیالات جو الکندی نے ظاہر کیے ہین اس قسم کے ہین کہ اس زمانہ مین ان کی امید نہین کی جا سکتی۔ اور بعض تو بالکل زمانۂ حال کی تحقیقات و افکار کے موافق ہین۔ مگر اس قسم کے نتائج اخذ کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے پاس اس کی تمام تصانیف ہون جن کے مطالعہ سے ہمکو مصنف کے اصلی خیالات کا پتہ لگ سکے۔ اور بدقسمتی سے یہی بات ہمکو حاصل نہین، ہو سکتا ہے کہ موافقت لفظی اس کے خیالات کی غلط ترجمانی کرے۔ مثلاً الکندی نے ایک الگ رسالہ مین فلسفہ اور ریاضیات کے تعلق پر بڑی شد و مد کے ساتھ بحث کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ بغیر ریاضی کے فلسفہ کو سمجھنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اس کا یہ خیال زمانہ حال کی تحقیقات کے عین مطابق ہے۔ لیکن اگر الکندی کی اور تصانیف ہمارے سامنے ہوتین تو ہم یہ معلوم کر سکتے کہ ریاضی مین اس نے کس کس چیز کو شامل کیا ہے، اور وہ تعلق جو اس نے دکھایا ہے اس تعلق سے بالکل مختلف ثابت ہوتا جو آج کل بتایا جاتا ہے۔ ”ریاضی“ کے مفہوم کا فرق

راجر بیکن[1] کے خیالات سے بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ یہ وہ فلسفی ہے جپر عربی فلسفہ نے بہت بڑا اثر ڈالا تھا۔ اور اس شخص نے ریاضی مین رقص۔ غنا اشارات اور آلہاے موسیقی کے استعمال کو بھی شامل کیا ہے یقیناً عرب فلاسفہ اور اس لیے الکندی نے بھی اس کو انہین معنون مین استعمال کیا ہوگا۔ لہذا اس کے خیالات کو زمانۂ حال کے خیالات کے قریب کہنا خالی از اندیشہ نہین،

فی زماننا اس کی تمام تصانیف ناپید ہین[2]۔ اس وقت اس کی قرابادین دستیاب ہوئی جس کا لاطینی زبان مین ترجمہ ہوا ہے اور ۱۵۳۱ء مین سٹراس برگ مین شائع ہوئی ہے، بارشوی پر اسکی ایک اور تصنیف لاطینی مین ترجمہ ہوکر ۱۵۲۷ء مین شائع ہوچکی ہے۔ اور تیسری علم ہیئت پر ۱۸۷۵ء مین لائپزگ مین طبع ہوئی ہے،

الکندی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ تبحر علمی اور ژرف بینی کے باوجود نہایت ہی مختصر نویس ہے۔ یہ مسئلہ مدت تک لمبی چوڑی بحثون کا موضوع رہا۔ چنانچہ بعضون نے اسکو بخل سے متہم کیا۔ اور بعضون نے اس کو اسکی کم علمی پر محمول کیا۔ مگر اصلیت یہ ہے کہ یہ نہ بخل کا نتیجہ ہے نہ کم علمی کا۔ بلکہ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ اس کی تصانیف صرف علما و ماہرین کے لیے تھین۔ اسیوجہ سے اسنے اپنے دلائل کی توضیح و تشریح کو تضیع اوقات سمجھا۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ علما اور ماہرین کو اسکی ضرورت نہین، اس خیال کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اس نے اپنی تصانیف مین طریقۂ تحلیلی کو اختیار کیا اور مِن گڑھت منطقی اصول کی چندان پرواہ نہین کی،

ہم پہلے کہہ آئے ہین کہ ہمارے پاس اس کی تصانیف فلسفیہ مین سے کوئی بھی موجود نہین،

[1] ۱۲۱۴ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۲۹۴ء مین مرگیا۔ اصل مین ایک انگریز پادری تھا۔ مگر اپنی خداداد ذہانت اور لیاقت سے ریاضیات اور علم الکیمیا مین بہت کچھ نام پایا۔ چنانچہ بارود کی ایجاد اسی کی طرف منسوب کیجاتی ہے شروع شروع اس کو جادوگر سمجھا جاتا تھا۔ مگر بعد مین اس کی قدر ہونے لگی۔ اور آج کل تو گویا اوسکی پرستش ہو رہی ہے۔

[2] معارف: بانکی پور کے کتبخانہ مین اسکا ایک عربی رسالہ موجود ہے،

اس وجہ سے اس کے فلسفہ کی باقاعدہ تشریح مشکل اور بالکل غیر شافی ہوگی۔ البتہ ان پریشان اور پراگندہ کوائف کی مدد سے جو ہم تک پہونچے ہین بعض مسائل پر اس کے خیالات معلوم کر سکتے ہین۔ حیرت ہے کہ مسلمان مؤرخین اور سوانح نگارون نے بھی اسکی طرف بہت کم توجہی سے کام لیا ہے وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد مین ان کی ایسے ایسے جلیل القدر، اور رفیع الشان اشخاص سے واقفیت ہوئی کہ الکندی انکے سامنے ہیچ ہوگیا۔ وہ اس بات کو بھول گئے کہ الکندی ان قلیل التعداد عربون مین سے ہے جن کے علمی دنیا مین حیرت انگیز کارنامے ہمیشہ کندن کی طرح دمکتے رہین گے۔ ڈی بوئر یقیناً ہمارے شکریہ کا مستحق ہے کہ اس نے اس کے عقاید کو محفوظ کیا۔ ورنہ آیندہ نسلین صرف الکندی کے نام یا اس کے سلسلۂ نسب سے واقف ہوتین،

الکندی نے فلسفے کو تین قسمون مین منقسم کیا۔ ریاضی۔ طبیعی اور اخلاقی۔ قسم اول مین اس نے فلسفۂ طبیعی کو بھی شامل کر لیا جسمین فیثاغورثیت جدید اور اشراقیت جدید ایک دوسرے مین مدغم ہوگئین۔ اس نے فلسفے کی اس شاخ پر اس قدر زور دیا کہ یہ فلسفہ کا مترادف ہوگئین۔ اس کا یہ خیال اس کے زمانے کے حالات کے عین موافق تھا۔ اس کے ہمعصرون کا قول تھا کہ ریاضی فلسفہ کا جزو اعظم ہے۔ چنانچہ الکندی بھی اسی کا قائل ہوگیا کہ کوئی شخص اس وقت تک فلسفی ہونے کی صلاحیت نہین رکھتا جب تک کہ اس ریاضی سے واقفیت نہو۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہین اس کے اس خیال کو بھی سمجھنے کے لیے احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کے زمانہ مین ریاضی مین ان باتونکے علاوہ جو آج کل اس مین شامل ہین اور بہت کچھ داخل تھا، ریاضیات کو اس نے یہانتک اہمیت دی کہ طبیات مین اپنے نظریۂ ادویۂ مرکبہ مین بھی اس سے گریز نہ دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ موسیقی کی طرح ان ادویہ کی تاثیر بھی نسبت ہندسی پر منحصر ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ موسیقی مین آواز کا تناسب ضروری ہے اور طب مین ہر چہار اوصاف محسوسہ یعنی گرمی۔ سردی۔ خشکی اور تری کا تناسب۔ مثلاً اگر ایک دوا اول درجہ مین

گرم رکھنی منظور ہو تو اس کے مرکب کی نسبت اس مین دوگنی گرمی ہونی چاہیے۔ علی ہذا القیاس دیگر اوصاف بھی۔ ظاہر ہے کہ اس امر کا فیصلہ حس ذائقہ کے سپرد کیا جائے۔ کیونکہ اس معاملے مین وہی بہترین ثالث بن سکتا ہے، ان خیالات پر غور کرنے سے صاف نظر آجاتا ہے کہ زمانہ حال کے مہیج اور حاسہ کے تناسب کے نفسیاتی نظریہ کی ابتدا ایک ہزار برس قبل الکندی نے کردی تھی۔ اور الکندی کے اس نظریہ کیوجہ سے کارڈن[1] نے اسکو بارہ دقیقہ رس فلاسفہ مین شمار کیا ہے،

الکندی کا خیال تھا کہ دنیا کی تخلیق خدا کا کام ہے۔ مگر ابراس کا اثر درمیانی وکلا، کی وساطت سے پڑتا ہے۔ جو ایک نظام مین منسلک ہین۔ اس نظام مین اعلیٰ وجود ادنیٰ پر اثر کرتا ہے۔ مگر معلول کا علت پر کوئی اثر نہین ہوتا۔ بظاہر یہ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے مگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو اسکی وجہ صاف نظر آجاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ علت معلول کی نسبت نظام موجودات مین زیادہ عالی رتبہ ہے۔ اور چونکہ اعلیٰ ادنیٰ پر اثر آفرین ہوتا ہے نہ کہ ادنیٰ اعلیٰ پر۔ اس لیے ظاہر ہے کہ معلول جو ادنیٰ ہے علت پر جو اعلے ہے کوئی اثر نہین کرسکتا، اس کائنات مین الکندی کے خیال کے مطابق ہر جگہ قانون علیت[2] کا دور دورہ ہے۔ اور اسی قانون کی وجہ سے ہم ماضی وحال کی بنا پر استقبال کے متعلق پیشین گوئی کرسکتے ہین۔ اور اس قانون کی عدم موجودگی مین ہمارے تمام علوم استقرائیہ کالعدم ہوجاتے ہین۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ الکندی قانون استقلال قدرت[3] کی طرف سے بھی غافل نہین۔ کیونکہ اگر اس قانون کو نظر انداز کردیا جائے تو قانون علیت بالکل بیکار ہوجاتا ہے اور ہم اس کی بنا پر کسی قسم کی پیشینگوئی کرنے کے قابل نہین رہتے۔ قانون استقلالِ قدرت کا منشا یہ ہے

[1] جیروم کارڈن ۱۵۰۱ء مین پیدا ہوا۔ یہ بڑا مشہور فلسفی اور ریاضی دان تھا۔ ۱۵۷۶ء مین مرگیا۔ بعض لوگون کا خیال ہے کہ اسنے خودکشی کی۔ کیونکہ اس نے پیشینگوئی کی تھی کہ وہ ۱۵۷۶ء مین مرجائیگا۔ [2] Law of Causation

[3] Law of uniformity of nature

کہ ایک خاص علت ہمیشہ ایک خاص معلول کا باعث ہوگی۔ مثلاً یہ کہ آگ ہمیشہ جلائیگی۔ یہ نہین ہوسکتا کہ آگ کبھی تو جلادے اور کبھی اڑادے۔ اگر ہم اس قانون کو نہ مانین تو نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک علت کسی معلول کا باعث ہوسکتی ہے۔ مثلاً اگر اس وقت آگ نے کپڑے کو جلادیا تو یہ ضروری نہین کہ کل بھی جلاہی دالے بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس کو ہوا کی طرح اڑادے۔ ایسی صورت مین ظاہر ہے کہ پیشینگوئی بالکل ناممکن ہوجاتی ہے۔ الکندی اسقدر خام علم نہ تھا کہ وہ قانون علیت کو تو قبول کرلیتا اور قانون استقلال قدرت کیطرف سے اپنی آنکھین بند کرلیتا۔ برخلاف اس کے اسکو ان دونون قوانین پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ یہ کہا کرتا تھا کہ اگر ہم موجودات مین کسی ایک چیز سے اچھی طرح واقف ہون تو ہم اشیا کے سارے نظام کو سمجھ سکتے ہین۔ کیونکہ وہ چیز گویا آئینہ ہوتی ہے جسمین تمام کائنات کا عکس پڑتا ہے،

نظام موجودات مین روح عالی مرتبہ ہے اور تمام فعلیت کا سرچشمہ۔ برخلاف اس کے مادہ بالکل جامد ہے۔ یہ روح کا تابع ہے اور اسی کی خواہشات کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اس مین بذاتہ کسی قسم کے فعل کی قابلیت نہین، ان خیالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ الکندی کے خیالات مین روح ومادہ کی ثنویت پائی جاتی ہے۔ اور جیسا ہم آگے چل کر دیکھینگے۔ وہ تا آخر دم اس عقیدہ پر ثابت قدم رہا۔ اس کے تمام خیالات اسی رنگ مین رنگے ہوئے ہین۔ اس کے نزدیک نفس روح الٰہی اور عالم مادی اور جسمانی کے مابین ہے۔ اور اسی وجہ سے اس مین دونون کی خصوصیات پائی جاتی ہین۔ اور دونون سے بہت جلد متاثر ہوسکتی ہے۔ یہی نفس، عالم کرہی کی تلوین کا باعث ہوتی ہے۔ نفس انسانی نفس عالم سے منفصل ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ اپنے تمام افعال مین جسم سے متعلق ہے اور اپنے جوہر مین اس سے بالکل آزاد ہے۔ اس عقیدہ کی مدد سے اب ہم اس سوال کا جواب نہایت آسانی سے دے سکتے ہین کہ اجرام سماوی ہمارے نفس پر کسی قسم کا اثر کرتے ہین کہ نہین۔ ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ ستارے صرف طبعی واقعات تک محدود ہوتے ہین۔ اور اس لیے ظاہر ہے کہ ان پر اثر کرتے ہین مگر

نفس چونکہ روحانی الاصل ہے اس لیے ان کے اثر سے باہر ہے، طبیعی واقعات مین خواہ وہ کسی قسم کا تغیر پیدا کرین مگر نفس پر وہ بالکل اثر نہین کر سکتے،

اب سوال یہ ہے کہ نفس کی ماہیت کیا ہے؟ نفس کی ماہیت چونکہ روحانی ہے اس لیے ظاہر ہے کہ یہ بسیط اور غیر فانی جوہر ہے۔ عالم عقل اس کا اصلی وطن ہے۔ اگرچہ یہ عالم حواس مین نازل ہے مگر پھر بھی اپنے اصلی وطن کیطرف سے غافل نہین۔ اس کو اپنے گذشتہ حالت مستحضر ہے یہ ہمیشہ مشتاق وطن رہتی ہے کیونکہ عالم حواس مین اس کی اکثر خواہشات پوری نہین ہوتین۔ ہمارا روزمرہ کا تجربہ شاہد ہے کہ عالم حواس مین کوئی چیز ساکن و دائم نہین، ہر چیز تغیر پذیر ہے۔ دوام و استقلال صرف عالم عقل ہی مین پایا جاتا ہے۔ لہذا اگر ہم چاہتے ہین کہ ہماری خواہشین پوری ہون اور ہم اپنی مرغوب چیز سے محروم نہ رہین تو ہمکو نمارِ عقل کیطرف متوجہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ صرف یہی غیر فانی اور دائمی ہین۔ عالم مادی گویا ظلِ سحاب ہے۔ اور اس واسطے اس کی خواہش کرنا ایک غیر موجود چیز کی خواہش کرنا ہے،

الکندی کا نظریۂ علم بھی اس کی ثنویت روح و مادہ کے عین مطابق ہے۔ اسکا خیال ہے کہ ہمارا علم یا حواس کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے یا عقل کے ذریعہ ان دونون ذرائع مین فرق یہ ہے کہ حواس سے ہمکو ایک جزئی یا مادی صورت کا علم ہوتا ہے اور عقل کلی معنی کا تخیل یا وہم ان دونون کے بین بین ہے اور اسیواسطے اس کو قوت واسطی کہا جاتا ہے۔ ان خیالات سے ظاہر ہے کہ الکندی نہ تابع تصوریت ہے اور نہ قائل "حسیت" بلکہ اس کی جگہ ان دونون مسلکون کے بین بین ہے۔ تحصیل علم مین وہ دونون ذرائع پر برابر زور دیتا ہے۔ لہذا اس کے نزدیک ان دونون ذرائع مین سے ایک کو ماننا اور دوسرے کو نظر انداز کرنا کائنات کے متعلق غلط علم کا مترادف ہے۔ کیونکہ اگر ہم عقل کو نظر انداز کر دین تو ہمکو کلی علم نہین ہو سکتا اور اگر حواس کیطرف سے آنکھین بند کر لین تو ہمارے پاس جزئی کو معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہین رہتا۔

الکندی کے اس نظریۂ علم سے اس کے عقیدۂ عقل کو سمجھنے مین بہت مدد ملتی ہے۔ بعد کے فلاسفۂ اسلام نے اس پر یہان تک زور دیا کہ یہ انکے فلسفہ کی ایک نمایان خصوصیت بن گئی عیسائی قرون متوسط مین کلیات کی بحث نے خارجی اور علمی مذاق کو ترقی دی اسی طرح مسلمانون کے نفس کے متعلق موشگافیون نے تربیت عقلی کی فاعلی ضرورت کو نمایان کر دیا۔ اس بحث مین الکندی نے صرف اتنا کیا کہ اس مسئلہ کو معرض بحث مین لے آیا۔ اور متاخرین کی طبع آزمائی کے لیے مواد چھوڑ گیا،

الکندی نے عقل کی چار قسمین کی ہین۔ اول وہ روح جو ہمیشہ حقیقی رہتی ہے۔ اور جو اس جہان کی ہر روحانی چیز کی علت اور جوہر ہے۔ ظاہر ہے کہ سوائے خدا کے اور کوئی نہین ہو سکتا، دوم وہ روح جو نفس کی قابلیت یا قوت استدلال ہے، سوم وہ روح جو نفس انسانی کی ملکیت یا اس کی عادت (؟) ہے۔ اور جسکو نفس اس طرح استعمال کر سکتا ہے جس طرح ایک مصنف اپنے فن کو اور چہارم وہ فعلیت ہے جس کی بدولت نفس کی ایک باطنی یا فاعلی حقیقت ایک خارجی حقیقت سے جا ملتی ہے۔ عقل کی اس قسم سے یقیناً الکندی کی مراد خود عقل انسانی ہے۔ کیونکہ اس کی وساطت سے وہ اپنے خیال کو حقیقت بنا سکتا ہے۔ اس کا خیال اس کے فعل ہی کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے، الکندی کا عقیدہ ہے کہ یہ غیر فانی روح قوت کو عادت مین منتقل کر دیتی ہے۔ یا بالفاظ دیگر محض ممکن کو حقیقی بنا کر پیش کرتی ہے۔ عقل کے اس چہارگانہ نظام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اصلی روح عطیۂ الٰہی ہے اور اسی واسطے عقل کی تیسری قسم کو عقل مستفاد کہا جاتا ہے۔ عقل مستفاد کا یہ عقیدہ فلاسفۂ قدیم کے عین مطابق ہے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اشیاء کے متعلق ہمارا تمام علم ایک ایسے ماخذ سے ماخوذ ہونا چاہیے جو موجود فی الخارج ہو، قدما کا یہ عقیدہ اسی صورت مین عربی مین آیا اور یہان عیسائی فلسفہ مین منتقل ہو گیا،

انسان کی فطرت مین ہے کہ وہ تمام ارضی صفات کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اگرچہ وہ

اتنی احتیاط کرتا ہے کہ وہ صفات بہترین صفات ہون۔ مثلاً مسلمان علمائے دینیات نے انسان کے اخلاقی افعال کو الٰہی فاعل کیطرف منسوب کئے ہین۔ مگر فلاسفہ کا خیال ہے کہ علم عمل سے بہتر اور اہم ہوتا ہے۔ کیونکہ موخرالذکر کا تعلق عالم حواس سے ہے جو متغیر اور فانی ہے۔ اور خود انسان سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف علم یا عقل نظری الٰہی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے علم یقیناً عمل سے بہتر ہے،

الکندی کا عقیدۂ عقل اسکندر افرودیسی کے عقیدہ سے بہت کچھ متاثر ہوا ہے۔ ان دونون مین فرق یہ ہے کہ اسکندر، ارسطو کا ہم خیال ہو کر عقل کو تین قسمون پر منقسم کرتا ہے اور الکندی چار پر، الکندی کے اس چہارگانہ نظام مین دو باتین خاص طور پر قابل غور ہین۔ اول تو الکندی کا چار کے عدد پر اسقدر زور دینا۔ کیونکہ یہی ایک دلیل ہے اس امر کی کہ اس نے فیثاغورثیت جدید اور اشراقیت جدید کو ایک دوسرے مین ضم کر دیا۔ اور دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الکندی نے الفارابی کی طرح افلاطون اور ارسطو کو ہم خیال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے،

اوراق ماقبل مین ہم نے الکندی کے فلسفہ پر کسیقدر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب آخر مین اس کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔ ہمارے گذشتہ بیانات سے یہ واضح ہو چکا ہوگا کہ الکندی اپنے معتقدات دینیہ مین معتزلہ کا پیرو ہے۔ اور فلسفہ مین اشراقیت جدید کا قائل۔ مگر اس اشراقیت کے ساتھ فیثاغورثیت جدید بھی شامل ہے۔ اس کا ریاضی کو اہمیت دینا صاف بتلا رہا ہے فیثاغورثیت نے بھی اس پر اثر کیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کے تمام خیالات اشراقیت جدید کے مطابق ہین۔ وہ سقراط کی بہت قدر کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس کے سوانح عمر، اسکے انجام اور اس کی تعلیمات پر بہت کچھ لکھا ہے،

روایۃً اس کو مسلمانون مین سب سے پہلا مشائی کہا جاتا ہے، اور اس کی تعلیمات و خیالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال بالکل بے بنیاد نہین۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہین اس کی

تصنیفات کی فہرست مین ارسطو کا نام خاص طور پر نمایان ہے۔ اصل یہ ہے کہ چونکہ وہ یونانی کتب کا عربی مین ترجمہ کرنے مین مصروف رہا اس لیے اس کو ارسطو کے مطالعہ کرنے کا خاص موقعہ ملا۔ اور لہذا اگر اس نے اس سے کچھ حاصل کیا تو کوئی تعجب کی بات نہین۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اس قسم کا آدمی نہ تھا کہ محض ترجمہ ہی پر قناعت کرتا۔ چنانچہ اس نے ارسطو کی تصانیف کے مشکل حصون کی تشریح کی اور ان کی اصلاح کی، جہان کہین اس نے دیکھا کہ مطلب واضح نہین ہے، وہین تشریحی و توضیحی بیانات سے مطلب صاف کر دیا۔ لہذا ارسطو کا یہ بالاستیعاب مطالعہ ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ الکندی پر اس کا بہت اثر پڑا۔ الکندی کے معتقدات کہ دنیا بالقوہ اصلاح پذیر ہے نہ کہ بالفعل اور یہ کہ حرکت مسلسل ہے اور اسی قبیل کے اور بیانات ظاہر کرتے ہین کہ ارسطو نے اس پر بہت اثر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اگر ہم اُن حالات و کوائف پر غور کرین جن مین اس کی علمی ترقی ظہور پذیر ہوئی اور ان اثرات کو ملحوظ رکھین جن کے ماتحت اس نے اپنی متاہلانہ زندگی بسر کی تو ہم کسی طرح بھی اس سے انکار نہین کر سکتے کہ مشائی تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اشراقیت جدید کے اثر سے بھی انکار نہین کیا جا سکتا۔

الکندی کا اثر فلسفۂ متداولہ پر زیادہ تر اس کے خیالات ریاضی نجوم۔ جغرافیہ اور طب کی وساطت سے پڑا۔ اس کے شاگردون مین سے سب سے مشہور اور فائق احمد ابن محمد الطیب السرخسی تھا۔ یہ شخص خلیفہ معتضد کا دوست اور اس کا ایک عہدہ دار تھا۔ اس نے کیمیا اور نجوم کا مطالعہ کیا اور خالق کی عقل اور اس کی قدرت کا علم عجائباتِ مخلوقات سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہ خلیفہ کی متلون مزاجی اور لاپرواہی کا شکار رہ کر ۸۹۹ء مین مرگیا، اس کا ایک اور شاگرد ابو معشر تھا۔ یہ نجوم کا ایک مشہور ماہر تھا۔ اپنی عمر کے سینتالیسوین سال تک وہ فلسفہ کا سخت مخالف رہا۔ لیکن الکندی کی تصانیف نے اس پر جادو کا اثر کیا چنانچہ وہ بھی آخر کار اسی طرف راجع ہو گیا۔ یہ ۸۸۵ء

مین مرگیا۔ معلم ثانی ابونصر فارابی کا نام بھی اس کے شاگردون کی فہرست مین لیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ اس کا باقاعدہ شاگرد نہ تھا۔ مگر اپر اس کا اثر اتنا پڑا تھا کہ شاگرد کہنا کچھ بے جا نہین الفارابی نے اپنے پیشرو کی تعلیمات کو واضح کردیا اور اس طرح ابن سینا کے لیے راستہ صاف کردیا۔[1]

[1] اس مضمون کے وقت حسب ذیل کتب راقم کے پیش نظر تھین،

۱۔ الکشار الفنوع بما ہو المطبوع۔ فان ڈائک۔

۲۔ تاریخ الحکمار۔ ابن القفطی۔ جرمن ایڈیشن ۱۹۰۳ء

۳۔ عیون الانباء فی طبقات الاطبا۔ ابن ابی اصیبعہ۔ مطبوعہ مصر،

۴۔ الفہرست۔ ابن ندیم۔ جرمن ایڈیشن ۱۸۷۱ء

۵۔ تاریخ فلسفہ اسلامیہ۔ ٹی جے ڈی بوئر مطبوعہ لندن ۱۹۰۳ء

۶۔ تاریخ ادبیات عرب کلیمنٹ ہوا۔ مطبوعہ لندن ۱۹۰۳ء

۷۔ تاریخ فلسفہ۔ لوئی۔ مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء

تاسی کے تذکرہ شعرائے اُردو کے چند اوراق

از مولوی محفوظ الحق صاحب بی اے

۲

اُردو اور ہندی کی تھوڑی سی تعریف بیان کرنے کے بعد ہمارا فرنچ مستشرق کہتا ہے:۔

"چنانچہ یہی (ہندی واُردو) وہ لٹریچر ہے جسکی یورپ کو خبر نہین، لیکن آج مین اُس کے کنز مخفی کو آپ کے سامنے پیش کرتا اور نظم ونثر کے ان جواہر ریزونکو چن دیتا ہون، کہ علمی دنیا اُنکی واقعی قدر وقیمت کر سکے۔ اس غرض کی تکمیل کے لیے مین نے سیکڑون اُردو کتابونکی ورق گردانی کی اور انکا بغور مطالعہ کیا ہے، اور جتنی قلمی کتابین ملسکین ان سب سے مواد جمع کیا ہے۔ چنانچہ اسی خیال سے مین نے تین بار انگلستان کا سفر اختیار کیا، اور عام وخاص جتنے کتب خانون مین اُردو تالیفات وتصنیفات کا پتہ ملسکا اُنکی سیر کی اور وہان کے ذخیرون کو دیکھا یہان مین اس امر کا واقعی اعتراف کرتا ہون کہ ہر جگہ میرا استقبال بڑی گرمجوشی سے کیا گیا، اور جو امداد ممکن ہوسکتی تھی وہ ہمین دی گئی۔ اُردو کتابونکا بہترین مخزن ایسٹ انڈین آفس لائبریری ہے یہان لائیڈن فنڈ کا کتب خانہ سب سے زیادہ آراستہ وپیراستہ ہے۔ ڈاکٹر لائیڈن فورٹ ولیم کالج مین اُردو کے ممتحن تھے اور اس زبان کے بہت بڑے سرپرست بھی تھے، اگر ڈاکٹر موصوف کی طرح دوسرے مستشرقین بھی اُردو تالیفات وتصنیفات کا کافی سرمایہ جمع کرلیتے تو مین علمی دنیا کے آگے اُردو شعرا اور مصنفین کی اس سے بہتر اور زیادہ جامع ومکمل فہرست پیش کرسکتا۔ بہرکیف!

جو تذکرے فراہم ہو سکے انہین سے مین نے استفادہ حاصل کیا۔ اس جگہ میرے بعض احباب شاید مجھپر یہ اعتراض کرین کہ بعض دوسرے تذکرہ نویسون کی طرح مین نے بھی بعض غیر معروف شعرا کے حالات و واقعات کو چند سطرون پر ختم کر دیا ہے، لیکن مین نے یہی مناسب سمجھا کہ گو دو چار سطرین ہی کیون نہ ہی لیکن اُنکا ذکر کر دینا ضرور ہے کیونکہ کہین ایسا نہو کہ وہ بالکل گمنام رہجائین،

اس موقع پر مین حروف تہجی کے اعتبار سے اُن تمام تذکرون اور گلدستون کا ذکر کر دینا چاہتا ہون جو شعرا و مصنفین کے حالات پر مشتمل ہین، اور جن مین سے اکثر ایسے ہین جو یا تو ہمین دستیاب ہو سکے یا کم از کم ہمین اُنکا پتہ چل سکا، لیکن ان تالیفات و تصنیفات اور انکے مولفین و مصنفین کے تفصیلی حالات کے لیے آپکو اس کتاب کے "سوانحی" حصہ کو ملاحظہ کرنا ہوگا۔ وہو ہذا،

(۱) **عیار الشعرا** مصنفہ خوب چند ذکا۔ ذکا نے یہ تذکرہ اپنے آقا میر نصیر الدین نصیر عرف میر کلن کی فرمایش پر ۱۲۴۷ھ (۱۸۳۲ء) مین یا یون کہئے کہ ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۲ء) اور ۱۲۴۷ھ (۱۸۳۱ء) کے درمیان تالیف کیا مولف کا خود بیان ہے کہ اس تذکرہ کی ترتیب مین اُسنے تیرہ سال محنت کی۔ ڈاکٹر اسپرنگر کو ذکا کے پوتے سے پتہ ملا کہ ذکا نے ۱۲۴۶ء مین قضا کی،

ذکا کا تذکرہ بھی ان چند تالیفات سے ہے جن کے متعلق میرے معلومات محدود ہین۔ یہ تذکرہ فارسی مین ہے، اور اکثر شعرا کے کلام کا نمونہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے پاس اسکا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جو تقریباً ہزار اکیٹو صفحہ پر ختم ہوا ہے، اور ہر صفحہ مین ۱۵ سطرین ہین۔ مسٹر موصوف کا بیان ہے کہ یہ تذکرہ بیجا تنقید اور اغلاط سے پاک ہے۔ واقعی یہ عجیب چیز تھی لیکن افسوس ہے کہ یورپ مین اسکی ایک جلد بھی موجود نہین۔

(۲) **چمنِ بے نظیر یا مجمع الشعرا** ایک ہی کتاب کے دو حصون کا نام ہے، جو علی الترتیب ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۸ء) اور ۱۲۶۶ھ (۱۸۴۹ء) مین بمبئی سے چھپکر شائع ہوئے اول الذکر کے

مولف محمد حسین ہین اور دوسرا محمد ابراہیم کی تالیفات سے ہے، اور غالباً یہی وہ شخص ہے جسنے انوار سہیلی (مطبوعہ مدراس ۱۸۲۴ء) کا دکھنی ترجمہ شائع کیا۔ یہ دونون تذکرے ۲۴۹ صفحات پر ختم ہوئے ہین اور انمین ۱۸۷۔ اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب درج ہے،

(۳) **مجموعۂ مقبول نبی** جو ۳۰۰ شعرا کے ۶۰۰۰۔ اشعار پر مشتمل ہے۔ افسوس ہے کہ مین اسکے متعلق کچھ زیادہ نہین لکھ سکتا کیونکہ یہ بیان محض حافظہ کی بنا پر ہے۔ عرصہ ہوا کہ اسکا ایک قلمی نسخہ جو خاص میرا تھا احباب کے نذر ہو گیا،

(۴) **دیوان جہان**۔ اسکا مولف اگرچہ ہندو ہے لیکن اسنے یہ تذکرہ اُردو مین لکھا ہے، واقعہ ہے کہ اپنی اس کتاب کی تالیف مین مین نے اس تذکرے سے بہت مدد لی ہے لیکن اسکا انداز تذکرہ کا نہین بلکہ گلدستہ کا معلوم ہوتا ہے۔ اسمین تقریباً ڈیرھ سو شعرا کے مختصر حالات موجود ہین مگر کلام کا نمونہ بہت زیادہ دیا گیا ہے،

(۵) **گلدستۂ حیدری**۔ محمد حیدر بخش حیدری نے یہ تذکرہ اپنے نام پر لکھا ہے۔ اسمین قصون کے علاوہ دیوان بھی شامل ہے اور پھر اُردو شعرا کا تذکرہ بھی ہے،

(۶) **گلدستۂ نازنینان**۔ یہ کتاب میرے مشہور ہمعصر مولوی کریم الدین کی تالیفات سے ہے جسمین مشہور مصنفین اُردو کے کلام کا انتخاب دیا گیا ہے،

(۷) **گلدستۂ نشاط** از مضطر۔ مین اس کتاب سے بے حد مستفید ہوا ہون۔ یہ علم بلاغت کی اچھی کتاب ہے۔ اس مین ہندوستان کے فارسی شعرا کا کلام بطور مثال پیش کیا گیا ہے اور مختلف اصناف سخن کے تحت مین اُردو شعرا کا کلام بھی وافر طور پر موجود ہے،

(۸) **گلستان ہند** مولفہ کریم الدین، یہ کتاب دلچسپ قصون اور اچھوتے محاورات و اصطلاحات کا مجموعہ ہے جو آٹھ باب یعنے "آٹھ گلشن" پر مشتمل ہے، اور آخری باب مین بہت ہی اعلیٰ

نظمونکا انتخاب بھی دیا گیا ہے، جو یاد کرنے کے لائق ہین،

(۹) گلستانِ مسرت۔ یہ ایک دلچسپ گلدستہ ہے جو مصطفےٰ خان دہلوی مالک "مطبع مصطفائی" کی تالیف ہے اس مطبع سے اُردو موئلفین و مصنفین کی بہت سی کتابین شائع ہو چکی ہین،

(۱۰) گلستانِ سخن از مبتلا د کاظم،

(۱۱) گلستانِ سخن اول الذکر نام کا دوسرا تذکرہ ہے جو دلّی کے شاہی خاندان کے شہزادہ قادر بخش صابر کی تالیف ہے،

(۱۲) گلشن بیخار از محمد مصطفےٰ خان شیفتہ اس تذکرہ کا ایک نسخہ مجھے ۱۸۴۵ء مین ملا تھا، اسین ۶۰۰ اُردو شعرا کا حال اور انکے کلام کا انتخاب موجود ہے۔ اس نئے ایڈیشن مین جو کچھ اضافہ ہوا ہے اوسین اس کتاب سے مین نے بہت مدد لی ہے،

(۱۳) گلستان بیخزان مندرجہ بالا تذکرہ کا اُردو ترجمہ ہے جسکو غلام قطب الدین باطن نے شائع کیا ہے،

(۱۴) گلشن ہند از مرزا علی لطف دہلوی۔ یہ تذکرہ بہت دلچسپ ہے اسین ۶۰ اُردو شعرا کے حالات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور انکے کلام کا انتخاب بھی دیا گیا ہے یہ کتاب میرے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔

(۱۵) گلزار ابراہیم از علی ابراہیم، اس تذکرہ مین ۳۰۰ اُردو شعرا کا ذکر مع انتخاب کلام کے ہے اسین اس تالیف سے بیحد مستفید ہوا ہون،

(۱۶) گلزار مضامین از مرزا جان طپش یہ کتاب اِس مشہور مصنف کی بعض چھوٹی نظمونکا مجموعہ ہے لیکن اسین تذکرہ کی شان پیدا ہو گئی ہے کیونکہ دیباچہ مین مصنف نے اُردو شاعری پر ایک سطحی نظر ڈالی ہے اور جن شعرا نے اس زبان کو پروان چڑھایا ہے اُنکی زندگی کا

مختصر خاکہ بھی دیا ہے،

(۱۷) انتخاب دواوین یا "خلاصۂ دواوین" موئلفہ امام بخش صہبائی دہلوی۔ سچ پوچھیے تو یہ ایک اچھا خاصہ گلدستہ ہے، لیکن انتخاب کلام کے ساتھ چونکہ شعرا کے حالات زندگی بھی اُردو مین دیے گئے ہین اسلیے اسکو تذکرہ کہنا نامناسب نہوگا،

(۱۸) معیار الشعرا قدیم و جدید شعرا کے کلام کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے جو آگرہ سے مہینہ مین دوبار شائع ہوتا ہے اسکے اڈیٹر منشی قمر الدین گلاب خان (؟) المتخلص بہ قمر ہین۔

(۱۹) مسرت افزا، از ابو الحسن الہ آبادی یہ تذکرہ میرے پاس موجود ہے مین منشی ناتھ بلند مرحوم کا ممنون ہون کہ انہون نے از راہ کرم سرڈ بلیو اوسلے کے قلمی نسخہ سے میرے لیے اسکو نقل کر دیا تھا، یہ نسخہ اب اکسفورڈ مین موجود ہے،

(۲۰) مجالسِ رنگین از موئلفہ رنگین اس کتاب مین موئلف نے کل ہمعصر شعرا کے کلام پر تنقیدی نظر ڈالی ہے،

(۲۱) مجموعۂ نغز موئلفہ سید ابو القاسم قاسم دہلوی۔ اس تذکرہ سے مین بیحد مستفید ہوا ہون اور خصوصًا اس دوسرے ایڈیشن کی ترتیب مین مین نے اس سے بہت مدد لی ہے، عام تذکرون کے مقابلہ مین اسکی خصوصیت یہ ہے کہ قاسم نے شعرا و مصنفین کا صرف نام نہین گنایا ہے بلکہ انکے کلام کی تعداد بھی بہ ترتیب لکھدی ہے، سرور و شیفتہ کی طرح اگرچہ یہ تذکرہ منخیم نہین لیکن یہ ضرور ہے کہ شعرا کے حالات و واقعات زیادہ فراہم کیے گئے ہین اور کلام کا نمونہ بھی علحدہ دیا گیا ہے، اور یہی وہ خوبی ہے جس سے دوسرے تذکرے عاری ہین،

(۲۲) مجموعہ انتخاب، موئلفہ فقیر شاہ محمد کامل۔ اس نئے ایڈیشن کی ترتیب مین ہمین اس تذکرہ سے ۵۰ شعرا کا حال ملا جو بہت دلچسپ ہے، افسوس ہے کہ اسکا قلمی نسخہ جو میرے پاس موجود ہے

خوشخط اور نستعلیق ہونیکے باوجود اغلاط سے پُر ہے اسی وجہ سے ہمین شعرا کے کلام سمجھنے مین سخت وقت ہوئی۔

(۲۳) مجموعۂ واسوخت، مختلف شعرا کے بیس واسوختون کا یہ دلچسپ مجموعہ ۶۸ صفحات پر ختم ہوا ہے یہ گلدستہ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۹ء) مین بمقام لکھنؤ طبع ہوا اصل مضمون حاشیہ پر درج ہے،

(۲۴) مخزن نکات یا نکات الشعرا مولفہ قیام الدین قائم یہ تذکرہ تین حصون (طبقات) مین منقسم ہے طبقات الشعرا نامی ایک دوسرا تذکرہ بھی اسی طرز پر لکھا گیا ہے، جسکا مفصل حال آیندہ صفحات مین آئیگا،

(۲۵) "مختصر احوال معنفین ہندی (اُردو) کے تذکرے نکا" اسکا دوسرا نام "رسالہ درباب تذکرہ ہا" ہے یہ ذکاء اللہ دہلوی کی تالیف؛ اور میری کتاب "ہندوستانی مصنفین" کا ترجمہ ہے،

(۲۶) نکات الشعرا، مؤلفہ میر تقی میر اُردو شعرا کا یہ قدیم ترین تذکرہ اواخر اٹھارہوین صدی کے بہترین شاعر کی تالیفات سے ہے، اسکا مکمل اور تفصیلی حال مین سوانحی حصہ مین بتاؤن گا اور وہین انکے کلام کا انتخاب بھی پیشکش کرونگا،

(۲۷) روضۃ الشعرا مولفہ محمد حسین کلیم اس مین اُردو شعرا کا حال نظم مین لکھا گیا ہے، اسطرح اسکو بھی تذکرہ کا لقب دیا جاسکتا ہے،

(۲۸) سراپا سخن معنفہ محسن لکھنوی اسمین ۱۰۰۰ منتخب اُردو شعرا کا کلام مختلف موضوعات کے زیر تحت جمع کیا گیا ہے، صرف یہی نہین بلکہ اُن شعرا کے حالات زندگی پر روشنی بھی ڈالی گئی ہے اس ایڈیشن کی ترتیب مین مین اس کتاب سے بیحد مستفید ہوا۔

(۲۹) سرو آزاد۔ تذکرہ "مسرت افزا" مین ابو الحسن نے اس تذکرہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ اُردو شعرا کا تذکرہ ہے لیکن مسٹر این بلینڈ نے اسے فارسی شعرا کا

تذکرہ لکھا ہے، دونون بیانات درست ہوسکتے ہین، اور انکی توجیہ اس طرح کیجاسکتی ہے کہ اسمین اُن تمام ہندوستانی شعرا کا حال ہے، جنھون نے اُردو و فارسی دونون مین طبع آزمائی کی ہے اور اس بیان کی تقویت اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ آزاد خود اُردو کے سرمایۂ ناز شاعر ہوگذرے ہین۔ اس موقع پر مین یہ امر واضح کردینا چاہتا ہون کہ آزاد نے فارسی شعرا کا ایک علحدہ تذکرہ بھی لکھا ہے جسکا نام "خزانۂ عامرہ" ہے

(۳۰) صُحف ابراہیم اس تذکرے کے مولف خلیل نے اسکو اپنے نام پر مرتب کیا ہے اس مولف کا پورا حال "سوانحی" حصہ مین ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرونگا،

(۳۱) طبقات الشعرا مولفہ قدرت اللہ شوق یہ تذکرہ "تذکرۂ ہندی" کے نام سے بھی مشہور ہے،

(۳۲) طبقات الشعرا مولفہ کریم الدین یہ تذکرہ ۱۸۴۸ء مین بمقام دلّی چھپا، اسمین لکھا ہے کہ میری کتاب "تاریخ ہندی و ہندوستانی لٹریچر" کا ترجمہ ہے، لیکن حق تو یہ ہے کہ یہ اس سے علحدہ اور مستقل کتاب ہے مسٹر ایف فلن انسپکٹر تعلیماتِ عامّہ بہار نے میری کتاب کا مواد اس فاضل مصنف کو دیا تھا اور اسی پر اُسنے یہ عمارت کھڑی کی،

(۳۳) طبقات الشعرا مولفہ غلام محی الدین عشق میرٹھی۔ افسوس ہے کہ یہ تذکرہ دستیاب نہو سکا اسمین تقریبًا سو ریختہ شعرا کا حال درج ہے،

(۳۴) تذکرۂ اختر، مولفہ واجد علی شاہ اختر، کہا جاتا ہے کہ اس تذکرہ مین ۵۰۰ فارسی و اُردو شعرا کا حال موجود ہے۔ آخری شاہ اودھ اسکا مولّف ہے، افسوس ہے کہ اس بادشاہ کی دو تصنیفات تو میرے کتب خانہ مین ہین لیکن یہ تذکرہ موجود نہین،

[1] معارف :- یہان ہمارے مستشرق سے تو بر تو جو غلطیان ہوئی ہین، وہ ظاہر ہین، آزاد بلگرامی نہ تو اُردو کے شاعر تھے اور نہ سرو آزاد اُردو شعرا کا تذکرہ ہے، اور نہ صرف ہندوستانی شعرائے فارسی کا وہ تذکرہ ہے۔

(۳۵) تذکرہ عاشق مرتبہ مہدی علی عاشق دہلوی۔

(۳۶) تذکرہ آزردہ، مولفہ صدر الدین آزردہ۔ شیفتہ نے اس تذکرہ کا خاص طور پر حوالہ دیا ہے،

(۳۷) تذکرہ گردیزی از فتح علی حسینی گردیزی۔ اس تذکرہ سے مینے بہت مدد لی ہے،

(۳۸) تذکرہ حسن مثنوی "سحر البیان" کے مشہور مصنف نے یہ تذکرہ لکھا ہے سرور نے بھی اسکا حوالہ دیا ہے لیکن میرے معلومات اسکے متعلق بالکل محدود ہین،

(۳۹) تذکرہ امام بخش کشمیری۔ مصحفی کا بیان ہے کہ اس تذکرہ نویس نے اُس کے تذکرہ سے بہت سرقہ کیا ہے،

(۴۰) تذکرہ عشق از رحمت اللہ عشقی مسٹر جے بی ایسٹ نے جن کے پاس اُردو کتابونکا کافی ذخیرہ ہے یہ تذکرہ ڈاکٹر اسپرنگر کو دیا تھا اور اسطرح "فہرست کتب خانہ شاہ اودھ" (مرتبہ اسپرنگر) کے وسیلے سے مین بھی اس تالیف سے مستفید ہوا۔

(۴۱) تذکرہ جہاندار از جوان بخت جہاندار اول الذکر تذکرہ کی یہ نقل ہے،

(۴۲) تذکرہ خاکسار از محمد یار خاکسار شورش نے اس تذکرہ کا حوالہ دیا ہے،

(۴۳) تذکرہ محمود از حافظ محمود میرا ہمعصر ہے،

(۴۴) تذکرہ مصحفی از غلام ہمدانی مصحفی۔ اس تذکرہ مین ۱۵۰ اُردو شعرا کا حال درج ہے" مین اس تالیف سے بیحد مستفید ہوا۔

(۴۵) تذکرہ مضمون از امام الدین مضمون۔

(۴۶) تذکرہ نصیر از سعادت خان نصیر لکھنوی،

(۴۷) تذکرہ سودا از رفیع الدین سودا۔ افسوس ہے کہ اٹھارھوین صدی کے اس نامور شاعر کے تذکرہ سے مجھے مستفید ہونیکا موقع نملا۔

(۴۸) تذکرہ شوق۔ از حسن شوق

(۴۹) تذکرہ شورش از غلام حسین شورش، یہ تذکرہ عشقی سے بہت ملتا جلتا ہے،

(۵۰) تذکرہ ترمذی از محمد علی ترمذی، گلزار ابراہیم مین اسکا حوالہ موجود ہے،

(۵۱) تذکرہ ذوق، از محمد ابراہیم ذوق یہ مشہور شاعر ہوگذرا ہے،

(۵۲) تذکرۃ الکاملین۔ از بابو رام چند،

(۵۳) تذکرۃ النساء، از کریم الدین،

(۵۴) عمدۃ المنتخبہ از محمد خان سرور ۱۲۰۰۔ اُردو شعرا کا یہ دلچسپ تذکرہ اپنے رنگ مین بے نظیر اور واقعی عجیب ہے مین اس نادر انتخاب سے بیحد مستفید ہوا،

ان تذکرون اور گلدستون کے علاوہ مینے مختلف کتب خانون کی فہرستون سے بھی بیحد فائدہ اٹھایا ہے، چنانچہ اسی سلسلہ مین مین اُن لاجواب اُردو اور فارسی کتابون کی "فہرست" کا ذکر کرنا چاہتا ہون جو لکھنؤ کے ایک بزرگ مولوی آل نبی کے کتب خانہ مین موجود ہے اس قلمی فہرست کی نقل ۱۲۱۱ھ (مطابق ۱۷۹۶ء) مین ہوئی۔ اسی طرح ایشیاٹک سوسائٹی کی دو فہرستون سے جو عربی اور دیوناگری رسم الخط مین ہین مینے بہت مدد لی، اور سوانحی حصہ کے لیے مین نے ایک انگلشمین کی دو نادر کتابون سے بے حد فائدہ اٹھایا ہے جنمین سے ایک تو ہندوؤنکی مقبول نظمونکا مجموعہ ہے اور کرنل براؤن (مرحوم) کی تالیفات سے ہے، اور دوسری ایک ممتاز ہندی مولف تارینی چرن متر کی رفاقت مین لکھی گئی ہے۔ اس شخص کی تالیفات بہت ہین لیکن اسکی یہ تالیف میرے لیے بے حد مفید ثابت ہوئی۔ اس کتاب مین اور باتون کے علاوہ بھگتمال کبیر کے ریختہ، تُلسی داس کی رامائن، ہتوپدیش کے اُردو ترجمہ اور جوان کی سکنتلا کے انتخابات واقتباسات موجود ہین، مختصر یہ کہ اس مین ۳۴۸ چھوٹی بڑی نظمین موجود ہین۔ اور اکثر عوام مین

مشہور بھی ہین،

یہ امر قابل افسوس ہے کہ وہ تمام تذکرے جن کی فہرست اوپر گذر چکی بالکل ناممکل ہین اور عموماً اُنمین صرف شاعر کا نام، اور اُس کے کلام کا انتخاب پایا جاتا ہے، لیکن بعض موقعون پر جہان حالات و واقعات کو ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، وہان بھی شاعر کی پرائیوٹ زندگی، یا سال ولادت و وفات کے متعلق ایک حرف بھی بمشکل نظر آتا ہے۔ اور نہ تو اُسکے القاب کے متعلق کچھ لکھا ہوتا ہے، اور نہ اُس کی تالیفات و تصنیفات کا کچھ تذکرہ نظر آتا ہے، اور اکثر تو اُسکے صاحبِ دیوان ہونے کا ذکر بھی نہین ہوتا۔ اس آخری فروگذاشت کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اگلے دو چار تذکرہ نویس چونکہ صاحبِ دیوان تھے اور یہ امر اُنکے لیے مایۂ ناز تھا اس لیے وہ نہین چاہتے تھے کہ کسی دوسرے شاعر کو بھی صاحبِ دیوان لکھ کر اُسکا نام اونچا کرین۔ حق تو یہ ہے کہ ان تذکرون مین اگر کوئی کام کی چیز ہے تو وہ شعرا کے کلام کا انتخاب ہے، جو ایک حد تک یورپ مین مفقود ہے۔ اگلے تذکرہ نویسون مین صرف میر تقی میر ایسے ہین جنھون نے شعرا کے کلام پر تنقید کی ہے اور سُست کو چُست کر کے شعر کو آسمان پر پہونچا دیا ہے، انھون نے اکثر غلطیون کی اصلاح بھی کی ہے اور بعض موقعون پر شاعر کے عوض، اپنے مخصوص محاورات و مصطلحات بھی پیش کیے ہین۔ اگر سچ پوچھیے تو مین تو یہی کہونگا کہ اُردو کا یہ تذکرہ سب سے قدیم ہے،

ہمین جتنے تذکرے ملے ہین وہ سب کے سب حروف تہجی یا یون کہئے کہ تخلص کے اعتبار سے مرتب کئے گئے ہین، اِس لیے ہمین بھی اسی سنت پر عمل کرنا پڑا۔ گو میرا ارادہ تھا کہ مین اپنے مضمون کو تاریخی طور پر ترتیب دون، لیکن دقت یہ ہوئی کہ میرے پاس کافی مواد موجود نہ تھا۔ اِس امر کا ہمین ضرور اعتراف ہے کہ ایسی ترتیب زیادہ موزون اور کتاب کے سرنامہ کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوتی لیکن مجبوریون کا کیا علاج۔ گذشتہ صفحات مین مین نے اس امر کو اچھی طرح واضح کر دیا

کہ پرانے تذکرون مین گو یہ ضرور ہے کہ شاعر کے کلام کا کافی انتخاب دیدیا گیا ہے، لیکن اُنمین اُنکے دور یا اُنکے عہد کو بہت کم بتایا گیا ہے۔ اِس لیے محض کلام کے انتخاب سے کسی شاعر کے دور کا پتہ چلانا ذرا مشکل ہے۔ اِسکے علاوہ دوسری دقت یہ ہے کہ ان تذکرہ نویسون نے کلام نقل کرتے وقت، پرانے اشعار کو بالکل نئے رنگ مین رنگ دیا ہے، اس وجہ سے بھی شاعر کے عہد کے تعین مین دقت ہوتی ہے۔ ہندی مصنفین کے متعلق بھی یہی مصیبت ہے اور اکثر کا عہد تک نہین بتایا گیا، اگر مین اپنی کتاب کو مختلف طبقات مین تقسیم کرون تو مجھے چند طبقات لکھنے پڑینگے یعنی طبقۂ اول مین ہمین اون تمام شعرا کا حال لکھنا ہوگا جن کا عہد ہمین معلوم ہے۔ طبقۂ دوم مین اُون تمام شعرا کا ذکر کرنا ہوگا جن کے عہد کے متعلق ہمین پورا یقین نہین۔ اور طبقۂ سوم مین اون شعرا و مصنفین کو بتانا ہوگا جن کے عہد کا حال ہمین معلوم نہ ہوسکا۔ نیز اسی طبقہ مین اون تمام کتابونکو بھی درج کردینا ہوگا جنکا نفس مضمون مین کوئی ذکر نہ کرسکا۔ غرض اس طرح ہمین بہت دقت کا سامنا ہوتا، اس لیے مین نے مندرجہ بالا طریقہ اختیار کیا جس سے ہمارا کام مختصر ہوگیا اور ناظرین کے لیے بھی سہولت ہوئی،

شانتی نیکیتان کے چشمدید حالات

(۳)

از مولوی ابوالنصر سید احمد صاحب بھوپالی

دوسرے دن کی گفتگو

ہم: اچھا بابو صاحب کل جو آپ نے ٹیگور کے وجوہ اختلاف ہمین بتائے تھے اُن پر ہمنے پوری طرح غور کیا اور غور کرنے کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہین اُسکو جناب کی خدمت مین پیش کرتے ہین ٹیگور کا فلسفہ منطقی مشکلات سے خالی نہین معلوم ہوتا مثلاً وہ ہمین اپنی اصطلاحات روح، تخلیقی جدوجہد، صداقت، خوشی، اور آزادی کی صحیح تعریف نہین تبلاتے اور نہ اُنکے تخیل کا علاقہ ظاہر کرتے ہین اسلیے ہمین شبہہ ہوتا ہے کہ آیا وہ مہاتما گاندھی کی طرح دماغ سے علٰحدہ روح کے قائل ہین یا نہین۔ مہاتما نے تو یہ کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ تمام دماغی ترقی اور تمدن کا جوگ (ل) (نیک) ہونا چاہیے یعنی روحانی ترقی کے لیے راہنما۔ ہوسکتا ہے کہ ایک وحشی انسان ایک متمدن انسان سے زیادہ نیک روح رکھتا ہو۔ اس لیے اس دوسرے خیال کو پیش نظر رکھ کر یہ امر واضح نہین ہوتا کہ تخلیقی جدوجہد سے کیون صرف غیر جنگ آور اور سکون وامن کا کام مراد لیا جاتا ہے؟

علاوہ ازین ٹیگور کا آزادی کا اصول بے انتہا بے ضابطگی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے اُنکا صرف اپنی ذات پر کامل اعتماد کرنے کا خیال ایک وہمی علٰحدگی پر دلالت کرتا ہے جو وہمی عقیدہ کی ایک دوسری قسم ہے جسے وہ "مایہ" کے نام سے موسوم کرتے ہین۔ یہ تھوڑی سی صداقت کی حد سے متجاوز توسیع ہے اس لیے کہ ہمارے دماغ کی چاپلوسی کو فنا کر دینا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ کیونکہ آپ شخص واحد کو نہ تو قدرت سے علٰحدہ کرسکتے ہین اور نہ سوسائٹی وجذبات سے۔ اور نہ عقل جذبات کو پوری طرح مطیع کرسکتی ہے۔ ٹیگور نے اس معاملہ مین ضرورت سے زائد معقولیت پسندی اختیار کی ہے اسلیے یہ معلوم کرنا ہمارے لیے نہایت دلچسپ ہوگا کہ وہ ولیم جیمس، وارڈ، ایوکن، برجن اور میکڈانل کے غیر معقول فلسفہ کے جواب مین کیا کہتے ہین۔ سوسائٹی اور سلطنت سے کنارہ کشی دراصل روحانیت کو ترقی نہین دیسکتی۔ افلاطون، گرین، اور بوسانکویٹ نے اپنے خیالی اسکول مین بحث کرتے ہوئے افراد کے لیے معرفت نفس کو صرف سلطنت ہی کے ذریعہ سے ممکن قرار دیا ہے۔ کمال ٹیگور کی رائے کے مطابق ایک غیر مشترک داخلیت[1] ہے اور اگرچہ وہ دنیا کو ترک کرنیوالی عزلت کے خلاف ہین لیکن اُنکا کامل فرد بھی ایک گوشہ نشین سے زیادہ نہین۔ اس بنا پر اُنکا بین الاقوامی تخیل بالکل نامحکم ہے کیونکہ اُنکے نزدیک ہر قوم کے لیے یہ غیر روحانی ہے کہ وہ کوئی شے کسی دوسرے سے لے،

(۱) ٹیگور کا عقیدہ تخلیقات فن کی خارجی قیمت کے خیال کی کوئی پرواہ نہین کرتا۔ وہ کام کرنے کے طریقہ کی تلقین کرتا ہے مگر زندگی کے مقاصد کی تعریف کیے بغیر اگر آپ کسی امر کو چاہتے ہین فرض کیجیے سوراج کو تو ٹیگور کہتے ہین کہ اُس کی تخلیق اپنی ذات کے لیے کیجیے اس لیے کہ آپ یہ جانتے ہین کہ روحانی آزادی تخلیقی جدوجہد مین ہے۔ اس کے یہ معنی کہ یہ ساری کارروائی

[1] Exclusive Subjectivism

اپنی ذات کا لاڈ اور پیار ہی ہے۔ تخلیق صرف ذاتی و داخلی قیمت رکھتی ہے نہ کہ خارجی۔ یا دوسرے الفاظ مین یہ کہنا کہ آپ بھلائی کی بھی تخلیق کر سکتے ہین اور برائی کی بھی، دھرم کی بھی اور ادھرم کی بھی، دونون آپ کے لیے برابر کی داخلی قیمت رکھتے ہین۔ تو یہ ایک خطرناک تجویز ہے اور اس قسم کا کھیل بھلائی اور برائی کے ساتھ مذاہب کیجانب صرف خدا کو ہی تفویض ہے افراد و قوم کو نہین،

بابو۔ حقیقت مین ٹیگور غیر مشترک داخلیت کو نہین چاہتے بلکہ اس امر کی تلقین کرتے ہین کہ افراد اور قوم دونون کو انسانیت کی بھلائی کے لیے کام کرنا چاہیے اور اُنکی تخلیقات خارجًا دنیا کے لیے کارآمد ہونا چاہیے۔

ہم د۔ یہ ٹھیک ہے لیکن ہمارا بحث تو یہ ہے کہ یہ آخری خیال عقلاً تخلیق ذات کے اُصول سے برآمد نہین ہوتا اور ایسا کرنے مین ٹیگور ضمنًا اپنے فلسفہ کی محدودیت کو تسلیم کرتے ہین اور نیز اپنے دماغی خیالات اور دلی خواہشات کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی ناکامی کو بھی۔

لیکن اگر آپ اپنی تخلیقات کو خارجًا بھی کارآمد بنالین تو بھی وہ بسا اوقات آپ کے باطن کے لیے مضر ہو سکتی ہین اور یہ اُسوقت جبکہ آپ زندگی کے خاص خاص مقاصد کا انتخاب نہ کرین۔ گو آپکی تخلیقات دوسرون کے لیے کارآمد ہو سکتی ہین لیکن وہ آپ کی روح کو غلامی کی ایک نئی زنجیر مین جکڑ سکتی ہین۔ گاندھی کا خیال ہے کہ تمدن اسی قسم کی غلام بنانیوالی انسانی تخلیق ہے۔ بہت سے مذاہب کی بھی یہی رائے ہے۔ اس طرح سے یہ بات اب صاف ہے کہ روحانی زندگی تخلیقی کارروائی سے پوری طرح نہین ظاہر ہو سکتی بلکہ وہ اس سے اور زیادہ وسیع ہے اور دوسرے ستونون پر بھی ٹھہری ہوئی ہے زندگی کے صحیح مقاصد کا دریافت کرنا بھی روحانی ترقی کے لیے اسیقدر ضروری ہے جسقدر کہ ان

مقاصد کی از خود تخلیق، اور یہ بات ٹیگور کے عقیدہ پر ایک دوسری تحدید عائد کرتی ہے یعنے آپ خود زندگی کے ہر مقصد کی تخلیق جسکو آپ چاہین نہین کر سکتے۔ آپ سوراج کی تخلیق بلا کسی بدیسی سے تعلق رکھے کر سکتے ہین لیکن آپ پنجاب اور خلافت کی بے انصافیون کی تخلیق کیسے کر سکتے ہین؟ ایسین آپ کو بدیسیون سے تعلق رکھنا ہوگا اور آپکو اپنی خواہش کے حاصل کرنے کیواسطے جنگ کرنا پڑیگی اس لیے یہ کارروائی غیر روحانی نہین ہو سکتی اگرچہ وہ تخلیقی نہو،

یہ ٹیگور کے عقیدے کا ایک مضر نقص ہے اسلیے کہ وہ ظاہری خارجی جنگ کے تمام خیال کو نظرانداز کر دیتا ہے۔ لیکن یہ کبھی ممکن نہین ہو سکتا حتی کہ اُسکی ذاتی پیچیدگیون پر بھی یعنی آپ تمام اعتماد کو بلا اس جنگ کے ترک نہین کر سکتے،

بابو۔ ہان ٹیگور کا کہنا تو یہی ہے کہ اگر آپ ہندوستان کے لیے سوراج چاہتے ہین تو کسی قسم کی توجہ بھی برطانی حکومت کیجانب صرف نہ کیجیئے بلکہ خاموشی کے ساتھ اپنے آپکو اُسکی تنظیم کے لیے ملک مین مشغول کر دیجیے۔ اسی کے نہ کرنے کی وجہ سے وہ اعتدال پسندونکو اور قوم پرستون کو قابل الزام وملامت ٹھہراتے ہین جسکا جواب اعتدال پسند تو یہ دیتے ہین کہ اُنکی رائے مین آپ سوراج کی تعمیر اس برطانی حکومت کے ذریعہ ہی سے کر سکتے ہین اور قوم پرست یہ کہتے ہین کہ آپ جمہوریت کی تخلیق ملک مین کر نہین سکتے جب تک کہ بدیسی حکومت فنا نہ ہو جائے محض اسوجہ سے کہ بدیسی آقا کبھی ہمارے تخلیقی راہ عمل مین ہمکو امن و سکون سے قدم بڑہانے نہ دیگا۔ لیکن ٹیگور یہ کہتے ہین کہ ہمین ملک کو بدیسی سے فتح نہین کرنا چاہیے بلکہ خود اپنی کاہلی اور غفلت سے،

ہم د۔ یہ ٹھیک ہے لیکن کیا ہم بلا شرکت غیر ان برائیون کے ذمہ دار ہین؟ آپ ذرہ ہمین نامرد کر دینے والی اور ہماری قومیت کو مٹا دینے والی حکمت عملیون اور چالون کو تو ملاحظہ فرمایئے ہم تو ان برائیون کو جب ہی دور کر سکتے ہین جبکہ ہم پہلے بدیسی کو دور کر دین۔ قوم پرست

یہ جانتے ہین کہ سیاسی سوراج کامل سوراج نہین ہے لیکن وہ اسکا یقین رکھتے ہین کہ یہ
آخرالذکر کے حصول کا آسان ترین ذریعہ ضرور ہے ٹیگور قوم پرستون کی طرح جنگ کرنے سے
انکار کرتے ہین مگر اپنے مجاز (آتھارٹی) کو تعمیر قوم کا ایک پیچیدہ طریقہ بتلاکے دھوکا دیتے ہین
صرف تاخیر ہی اس طریقہ کا نقص نہین ہے۔ اسمین کامیابی ہوسکتی ہے لیکن جب کہ آپکو اسکا
یقین ہو کہ جسوقت آپکی تخلیق قوم کے لیے جاری ہو اسطرح سے کہ وہ بدیسی کی تباہی کی جانب
راہ نمائی کرتی ہو تو بدیسی آپکو دق نہ کرے۔ اگر وہ آپکو دق کرتا ہے تو جب تک کہ آپ ایسی جنگ
کے لیے طیار نہ ہون جو صرف باطناً روح کے میدان مین داخل نہین ہے آپ ہلاک ہوجائینگے
پھر تخلیق ملک مین اختلاف آرار کے جھگڑے ناگزیر ہین جن کے لیے آپکو جماعتی جنگ کرنی ہوگی
پس از خود تخلیق کا طریقہ ایسا نہین ہے جو ہمارے ایسے حالات مین ہدایت کی جانب رہنمائی کرسکے
آپکو تخلیق کے لیے بھی لڑنا ہوگا اور اپنی تخلیقات کو ناپاکی اور تباہی سے بچانے کے
لیے بھی۔ آپ صرف تخلیق پر ہی نہین ٹھہر سکتے اگر آپ کو اُسکی خارجی فائدہ مندی کی جانب
بھی توجہ ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ٹیگور نے اس امر کو معلوم نہین کیا کہ روح اپنے آپ کو
صرف تخلیقی کارروائی مین ہی نہین ظاہر کرتی ہے بلکہ دوسری کارروائیون مین بھی مثلاً
برائیون کے ساتھ برسر پیکار رہونے مین یہ ہوسکتا ہے کہ تخلیق ایسی جنگون سے افضل ہو لیکن
آخرالذکر نہ تو دور کیجا سکتی ہے اور نہ اُسے غیر روحانی کے نام سے بدنام کیا جاسکتا ہے جب تک
کہ دنیا مین بدی باقی ہے ضرور ہے کہ نیک عمل سے مزاحم ہو اور اُسکو پلید کرے۔ آپ باطل
کے ساتھ اپنی جنگ کو محض اپنی ذات واحد کو محفوظ رکھنے تک محدود نہین کرسکتے یعنی عام
نقطۂ نظر سے آپکو باطل کے خلاف اُسکی ہلاکت کے لیے جارحانہ جنگ کرنا ہوگی۔ نیکی و حق کی
طاقت ہمیشہ امن پسند اور مثبت ہوتی ہے۔ وہ کبھی باطل سے برسر پیکار نہین ہوتی جبتک کہ

مغلوب کردینے والی ضرورت سے مجبور نہ کیجائے۔ مہاتما کا یہی مسلک ہے وہ تمام پیچیدہ
چالون کو ناپسند کرتے ہین اور تمام جنگ کو خود انجام دینے لگتے ہین وہ اپنی جنگ شروع کرنے
مین اُسوقت تک کا انتظار نہین کرتے جسوقت تک کہ دنیا مین نیکی کی تمام طاقتین کام کیلیے
نہ جمع ہوجائین وہ نیکی کا مرکز اپنے سے باہر نہین قائم کرتے بلکہ خود اپنے آپ کو نیکی کی ایک
طاقت بناتے ہین اور پھر بلا اسکی پرواہ کے کہ خارجی نتائج اُنکے لیے کیا ہونگے باطل پر
حملہ شروع کردیتے ہین۔ وہ یہ جانتے ہین کہ نیکی اور بدی کا وجود صرف عمل مین ہے انسانون
مین نہین۔ گاندھی بدی سے اپنے آپکو اور دوسرونکو بھی بچانا نہین چاہتے بلکہ بدی کرنیوالیکو بھی
اصل یہ ہے کہ ٹیگور کے فلسفہ مین دو سخت اختلاف آکر جمع ہوگئے ہین: (۱) اول
تو غیر مشترک داخلیت اور مثبت شخصیت جسکو اُنکے دماغ نے ظاہر کیا ہے اور (۲) دوسرے
خدمت انسانیت جو اُنکے دل کی خواہش ہے۔ پس وہ اپنے دماغ اور دل کے درمیان موافقت
پیدا کرنے مین ناکام رہے ہین۔ ہر ایسی کوشش جو دنیاداری اور روحانیت کے درمیان کی
خلیج کو پاٹنے کے لیے کی گئی ہے غیر اطمینان بخش ثابت ہوئی ہے، کیونکہ وہ مندرجہ بالا مغالطہ سے
محفوظ رہنے مین ناکام رہی ہے۔ بعض مذاہب نے منطقی سادگی کے ساتھ دشواری سے بچنے
کے لیے دوسرے خیال کو بالکل رد کردیا ہے۔ اور موجودہ مغربی دنیاداری نے اپنی باری
مین اشخاص کی سوسائٹی اور ضمیر کے بے رحم دباؤ کو جاری رکھ کر اول خیال کے اعتراف سے
انکار کردیا ہے، ٹیگور ان دونون کے درمیان کوئی معقول ہم آہنگی نہین بتلاتے۔ ایک طریقہ
اس خلیج کو پاٹنے کا یہ ہے کہ روحانیت کو اسقدر وسعت دیجائے کہ اُس مین خارجیت بھی
داخل ہوجائے۔ آپکو صرف اپنے ہی آپکو تمام غلامی سے آزاد نہین کرلینا چاہیے بلکہ دوسرونکو
بشمول اپنے دشمنون کے آزاد کرانے کے لیے خارجاً بھی لڑنا چاہیے۔ آپ کو متحرک اور مسلسل

تعلقات دوسرون سے رکھنا چاہیے اعتماد اور بھروسہ روحانیت کے مخالف نہین ہے۔

آزادی سے مراد صرف برائیون کی غلامی سے رہائی ہے اور کسی دوسری قسم کی غلامی سے نہین۔ ایک خدا پر عقیدہ رکھنے والے کے لیے اُسپر بھروسہ رکھنا غیر روحانی نہین ہے خارجی مدد بھی روحانی مدد ہوسکتی ہے اور یہ اُسوقت ممکن ہے جبکہ آپ صداقت اور محبت کو اپنے خارجی اور اعلے ترین تصورات اور اپنی روح کے اصل اجزا بنالین۔ آپ کی نجات سے مطلب صداقت و محبت کے عدم یعنی دروغ اور بغض و عداوت سے آپ کی مخلصی ہے یا ایسا ہی ہے جیسا کہ صداقت و محبت کا مثبت اعتراف۔ آپکو اپنے سے محبت رکھنے کے لیے تمام دنیا سے محبت رکھنا ہوگی۔ اس کے یہ معنی ہین کہ آپ خارجی مقابلہ کو ترک نہین کرسکتے نہین بلکہ آپ کو اُسے دعوت دینا ہوگا کیونکہ وہ آپ کی روح یعنی صداقت و محبت کا اظہار ہے۔ گاندھی نے کہا ہے کہ "روشن ترک موالات ہی جان بلب محبت کا اظہار ہے۔ اگر آپ صرف صداقت کو چاہتے ہین تو آپ استغنائے داخلی اور منفرد ہونگے اور اگر صرف محبت ہی آپ کی روح کا جزو ہے تو آپ برائی کے لیے صبر شعار ہونگے۔ لیکن یہ دوسری صورت صداقت کو دنیا سے ہلاک کردیگی۔ برٹرینڈ رسل کے طرح کچھ لوگ ایسے ہین جو دنیا سے جنگ کو نیست نابود کرنے کے لیے کسیقدر بے انصافی اور دروغ کو برداشت کرنے کے لیے طیار رہین۔ گاندھی نہ تو سمجھوتے کے اس خیال کو قبول کرتے ہین اور نہ ٹالسٹائے کے خیال عدم مقابلہ کو۔ وہ آپ سے نہایت موثر مقابلہ کرنے کی سفارش کرتے ہین محبت کرنے اور صداقت کا اعتراف کرنے کے لیے۔ پس آپ کی محبت اس مقابلہ کو غیر متشدد یعنی امن پسند بنا دیگی۔ اور یہ امر بلا صداقت محبت کی قربانی کئے لڑائی جھگڑے کو دور کردیتا ہے۔ خوشی کے ساتھ برداشت تکلیف وہ قیمت ہے جو آپ باطل کے مقابلہ اور محبت کے قیام کے لیے ادا کرتے ہین۔ یہی آپ کا معرفت نفس کا

طریقہ ہے یعنی صداقت و محبت کے قیام کا اُس حد تک جس حد تک کہ آپ کو تعلق ہے۔ دنیا آپکی اس کارروائی سے خود بخود نتیجہ حاصل کرے گی۔ یہ کہنا غلط ہے کہ گاندھی کا پروگرام جنگجویانہ عمل کی تاکید زیادہ کرتا ہے بہ نسبت امن پسندانہ مضبوط تخلیقی کارروائی کے، بلکہ اصل یہ ہے کہ اُنکے پروگرام کا اظہار ترک موالات مین پوری طرح نہو سکا ورنہ اُسکے اندر یقیناً اسقدر وسعت موجود ہے کہ غیر جنگجویانہ تخلیقی کارروائی بھی اُسمین شامل ہوسکے۔ اُنھون نے جو کام شروع کیا ہے وہ ابھی صرف برطانیہ کے نارضامند ہاتھون سے انصاف حاصل کرنے کے متعلق ہے سوراج کی تخلیق کے متعلق نہین ہے، گاندھی اس امر کے پوری طرح بخیال ہین کہ سواراج دوسرے یعنی جنگجویانہ جد و جہد سے نہین حاصل ہوسکتا۔ چنانچہ وہ اپنے پروگرام مین بتدریج تبدیلی کررہے ہین جس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکی اس تحریک کی خلقت محدود نہین ہے بلکہ تمام اُس تخلیقی کارروائی پر بھی حاوی ہے جو ٹیگور کو مطلوب ہے۔ لیکن ٹیگور کی حجت پروگرام کو وسعت نہین دیتی بلکہ عین اُس کی اساسی خصوصیت کو تباہ کردینے والی ہے۔

اس طرح سے گاندھی کی کوشش روحانی و دنیوی زندگی کو ملانے کی زیادہ معقول ہے بہ نسبت ٹیگور کے۔ برخلاف ٹیگور کے گاندھی زندگی کے مقاصد کی تیز اُنکے جاننے کے طریقہ کی تعریف کرنے کی کوشش کرتے ہین۔ وہ داخلیت کی فوقیت کو قائم رکھتا اور اُسکے توحد وانقطاع کو دور کرنا ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد کامل اخلاقی آزادی اور صداقت و محبت کا اعلے اعتراف ہے۔ ہر کارروائی کو خواہ وہ تخلیقی ہو یا جنگی زندگی کے ان ہی مقاصد کی تابعداری کرنا چاہیے۔ گاندھی کہتے ہین کہ وہ سیاسیات مین اسی حد تک داخل ہوتے ہین جس حد تک کہ مذہبی قوت اُنکے اندر ترقی کرتی ہے۔ اُنکا کہنا ہے کہ ملک کی وفاداری تابع ہے خدا کی وفاداری کے۔ آپ تمدن کو بغلگیر نہین کرسکتے اگر وہ آپ کی اخلاقی ترقی

ین مدد نہین کرتا، محبت آپکو سب کے ساتھ صداقت مین حصہ لینے پر آمادہ کرتی ہے اور آپ صداقت
کی تخلیق بلا دروغ کی تباہی کے نہین کر سکتے اور یہ دونون ہمشکل طریقے ہین۔ اس طرح سے
دروغ کی بربادی بھی اپنے اعلیٰ مفہوم مین تخلیقی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جنگجویانہ کارروائی بھی
تخلیقی اور روحانی ہے اور اُسکو کامل غیر متشدد و امن پسند بناکر آپ اُسکی تخلیقات کی
داخلی اور نیز خارجی قیمت کا بھی فائدہ اُٹھاتے ہین۔ گاندھی نے داخلیت اور خارجیت
اور فردیت و عمومیت کی درمیانی خلیجون کو پاٹ دیا ہے۔ اور اگرچہ گاندھی کا کام مشکلات سے
خالی نہین ہے لیکن وہ اُن دلائل کیوجہ سے جنکو ٹیگور نے اختیار کیے ہین قابل شکست نہین ہے"

خاتمہ سخن عند الاختتام ہم یہ کہینگے کہ ایمین کوئی شبہہ نہین کہ مدرسہ شانتی نکیتان قدیم ہندوستانی
تہذیب، فلسفہ، آرٹ تاریخ اور جدید علوم و لٹریچر اور مغربی زبانون کی ایک بہترین درسگاہ
اور مشرقی و مغربی تمدن و خیالات کا سنگم ہے طالبین صادقین صحیح ادبی و علمی ذوق اور مغربی
معلومات کا ایک بہترین ذخیرہ وہان سے حاصل کر سکتے ہین۔ البتہ مقامی آب و ہوا کے متعلق ہم
یہ کہینگے کہ بیچم کے رہنے والون کو وہان کی آب و ہوا ایک عرصہ کے بعد راس آتی ہے، خصوصاً
اسوجہ سے اور بھی کہ کھانے کا وہان بہتر انتظام نہین ہے۔ عموماً ترکاری وغیرہ تیل مین پکی ہوئی
ہوتی ہے اور چاول اُبلے ہوئے فرمایش کرنے پر اُن لوگون کے لیے جو چاول کے عادی نہین
ہین روٹی بھی طیار ہو جاتی ہے۔ وہان کے پانی مین قوت ہاضمہ بہت کم ہے پس ضرورت ہے کہ جو
صاحبان مدرسہ مذکور مین جانے کا ارادہ کرین وہ اگر کھانے کا نہین تو کم سے کم عمدہ ناشتہ کا اہتمام
اپنی صحت کو قائم رکھنے کے لیے بطور خود کرلین۔

منتخبات

ہندوستان کے عہد اسلامی اور آغاز عہد انگریزی
مین
ڈاک کا انتظام

"جولائی سنہ ۱۹۲۲ء کے رسالہ کلکتہ ریویو مین پروفیسر بجے کمار نے ایک محققانہ مضمون لکھا ہے
جو امید ہے کہ ہمارے ناظرین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا،

لفظ ڈاکخانہ سے آجکل ہم جس چیز کو مراد لیتے ہین وہ حال کی ایجاد ہے، ابتداءً یہ ایک
شاہی محکمہ تھا۔ حکومت کے مختلف حصون مین قیام مراسلت، اور انتظامی اغراض کے لیے ایک
دوسرے صوبہ اور شہر کو متحد رکھنے کی ضرورت کی بنا پر یہ وجود مین آیا، سنہ ۱۸۳۷ء سے قبل ہندوستان
مین کوئی عام نظام ڈاک نہ تھا، اور اور مختلف حصص ملک مین قیام مراسلت کا کام خاص قاصدون
(خواہ وہ شخصی ہون یا شاہی) کے ہاتھون مین تھا، ابتدائی ڈاکخانجات کے متعلق امپیریل
گزٹ لکھتا ہے،

"ابتدائے عہد سے دیسی ریاستون نے۔ قاصد، پتہ ، یا ہرکارون کے ذریعہ، ذرائع
مراسلات کو بہت کچھ ترقی دے رکھی تھی اور یہ بتانا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ انگریزی کیطرح
دیسی زبانون مین (شمالی ہند مین ڈاک یا دکن و مہاراشٹر و گجرات وغیرہ مین ٹپال کا
لفظ) بھی وہی الفاظ اس محکمہ کو ظاہر کرتے ہین جو ان قاصدون کے مرکزون اور ٹھہرنے کی
جگہون کو بتاتے تھے[1]"

[1] Imperial Gazetteer Vol III. P 418

قرون وسطیٰ مین ہندوستان کے سب سے پہلے محکمۂ ڈاک کا پتہ ہمکو علاء الدین خلجی کے زمانہ مین ملتاہے، یہ ۱۲۹۶ء مین تخت نشین ہوا تھا، مشہور مورخ ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ یہ جب کہین کوئی فوج روانہ کرتا تو اوس کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے پیادون یا سوارون کی ڈاک کا انتظام کرتا[۱]،

مشہور افریقی سیاح ابن بطوطہ کے بیان سے، جو ۱۳۴۱ء مین ہندوستان آیا تھا، یہ بات صاف طور سے معلوم ہوتی ہے کہ چودھوین صدی کے وسط مین اس محکمہ نے کافی ترقی کرلی تھی، وہ اس نظام کو اسطرح لکھتا ہے:

ہندوستان مین قاصد دو قسم کے ہوتے ہین، پیادہ اور سوار، انکو عموماً "الولاق" (معارف ڈاک دوڑ دے، غالباً یہ ترکی لفظ ہے) کہتے ہین، سوار جو عموماً سلطان کے رسالون کے جز ہوتے ہین ہر چار میل پر قیام کرتے ہین، اور پیادہ ہر میل پر ٹھہرتے ہوئے ٹھہراؤ اور ٹھکانو کو طے کرتے ہین، انکا ہر اسٹیشن (ٹھہراؤ یا ٹھکانا) ایک میل پر ہوتا تھا اور وہ "الدادہ" کہلاتا تھا۔ (معارف، غالباً یہ لفظ "اڈا" ہے) ہر قاصد کے ہاتھ مین ایک ڈنڈا ہوتا تھا جو تقریباً دو ہاتھ لانبا ہوتا، اور اسکے سرے پر گھنگھرو بندھے ہوتے تھے، اس کے ایک ہاتھ مین ڈاک ہوتی اور دوسرے سے وہ اون گھنگھرون کو بجاتا جاتا؛ اس طرح وہ اپنے قریب کے اڈے تک جاتا ہے، اور جب اوس جگہ پہونچ جاتا ہے تو پھر گھنگھرون کو بجاتا ہے، اس پر اوس اڈے سے ایک آدمی نکلتا ہے، وہ اس سے ڈاک لیکر دوسرے اڈے کی طرف روانہ ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ سلطان اپنی مراسلات اسقدر جلد پالیتا ہے[۲]"

اس افریقی سیاح کے ہمعصر اور مورخ عہد شہاب الدین ابو العباس احمد نے بھی اسی قسم کے

[۱] تاریخ فیروز شاہی ایلیٹ صاحب جلد سوم صفحہ ۲۰۳ [۲] سفرنامہ ابن بطوطہ ترجمہ کی صفحہ ۱۰۲-۱۰۱

حالات لکھے ہین[۱]،

ڈاک کے سلسلہ مین سکندر لودی اور بابر کے نام بھی لیئے جاتے ہین، سکندر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اوس نے اس غرض سے کہ اوسکے پاس روزانہ حلب، آگرہ اور بنگال کے شرقی حدود تک کی خبرین پہونچا کرین، تھوڑی تھوڑی دور پر اس قسم کی چوکیان قائم کی تھین[۲]"

بابر نے آگرہ سے کابل جانے والی سڑک کی پیمائش۔ اور اسپر گھوڑون کے ڈاک کے اجراء کا حکم دیا تھا، تزک بابری مین لکھا ہے کہ ۱۷۔ دسمبر ۱۵۲۵ء کو چقماق بیگ کو حکم دیا گیا کہ وہ آگرہ سے کابل جانے والی سڑک کی پیمائش کرے اور وہ تعمیل احکام شاہی کے لیے اوسی دن چل کھڑا ہوا، اس کام کے نظام وترتیب کو یون بیان کیا گیا ہے،

"ہر ۹ کروہ پر ایک بارہ تار (تقریباً ۲۴ یا ۲۶ فٹ) بلند مینار بنایا جائے اور اس کے سرے پر ایک "چار ورہ" ہو، ہر ۱۸ کروہ پر ۶ ڈاک کے گھوڑے بندھے رہین، سوارون، سائیسون کی تنخواہ اور گھوڑون کے دانے کا پورا پورا انتظام کردیا جائے[۳]۔

لیکن تزک سے اس بات کا پتہ نہین چلتا کہ یہ ارادہ عالم وجود مین بھی آیا یا نہین،

شیر شاہ (۱۵۴۰-۴۵ء) کا عہد حکومت، ہندوستان کی اسلامی سلطنت مین ایک خاص امتیاز رکھتا ہے، یہ اسی کا عہد تھا، جس مین مختلف سیاسی واقتصادی معاملات مین ترقی ہوئی اور انتظام وعمل کے نئے طریقے اور اصول مرتب کیے گئے؛ شیر شاہ نے صرف سڑکین اور سرائین ہی تعمیر نہین کین بلکہ اپنی تمام سلطنت مین گھوڑون کی ڈاک بھی جاری کی، جیسا کہ کہا جاتا ہے اوس نے مختلف سڑکون پر تقریباً ۱۷۰۰ سرائین بنوائین، "ہر سرائے مین دو گھوڑے موجود رہتے تھے کہ خبر کو فوراً

[۱] ایلیٹ جلد سوم صفحہ ۵۸۱ [۲] ایلیٹ جلد چہارم صفحہ ۴۱۸ کا حاشیہ، جلد پنجم صفحہ ۱۰۲ [۳] تزک بابری، حصہ سوم صفحہ ۶۲۹

لیجائین، اس حساب سے ہندوستان مین ڈاک کے محکمہ کے لیے ۴۰۰، ۳ گھوڑون کا التزام تھا[۱]،

شہنشاہ اکبر (۱۶۰۵-۱۵۵۶ء) شاید پہلا بادشاہ ہے جس نے ہندوستان مین اونٹ کی ڈاک جاری کی
آئین اکبری کی مندرجہ ذیل سطرون سے یہ بات واضح طور سے معلوم ہو جائیگی کہ سولھوین صدی مین
محکمۂ ڈاک مکمل صورت اختیار کر چکا تھا،

"ہندؤن کے ایک فرقہ کو جو اونٹون کی عادات سے بخوبی واقف ہوتا ہے" رائباری"
کہتے ہین، وہ دیسی اونٹون کو اس طرح چلنا سکھاتے ہین کہ وہ بہت قلیل عرصہ مین ایک
معقول مسافت طے کر لیتے ہین، اگرچہ دار السلطنت سے لیکر حکومت کی سرحدون تک گھوڑون
اور تیز آدمیون کو ہر چار کوس پر محکمۂ ڈاک کے لیے رکھا گیا ہے، لیکن محل شاہی مین اس قسم کے
چند اونٹ ہر وقت موجود و تیار رہتے ہین[۲]"

سترہوین صدی کے یورپین سیاحون مین، الگزنڈر ہملٹن نے (Alexander Hamilton) مغلون کے نظام ڈاک کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ لکھتا ہے،

"مغلون کی حکومت مین ڈاک بہت جلد جاتی ہے، کیونکہ اون تمام کاروانون مین جو کہ ہر
بڑی سڑک پر دس دس میلون کے فاصلہ پر بنے ہوئے ہین، بہت تیز رو آدمی مقرر ہین،
خطوط ایک رنگے ہوے بکس مین بند رہتے ہین، اور وہ بکس ہرکارہ کے سر پر ہوتا ہے، جب
وہ سرائے کے قریب پہونچکر اپنے آنے کی اطلاع دیتا ہے تو دوسرا شخص اوس بکس کو لیکر
اگلی جگہ کے لیے روانہ ہو جاتا ہے، اسی طرح شب و روز پانچ چھ میل فی گھنٹہ چلکر ڈاک اپنے
منزل مقصود تک پہونچ جاتی ہے، چنانچہ اس وسیع حکومت کے ابعد ترین مقامات سے

۱؎ تاریخ شیر شاہی، الیٹ جلد چہارم صفحہ ۴۱۰، ۲؎ آئین اکبری مترجمہ بلوچمین جلد اول
صفحہ ۱۴۰-۱۴۷،

بھی آٹھ دن کے اندر خبرین دربار مین پہونچ جاتی ہین[۱]"

مغلون کے عہد مین، حکومت کے مختلف حصص مین متعدد قسم کے اخبار نگار ہوتے تھے، وہ
(۱) وقائع نویس یا وقائع نگار (۲) سوانح نگار، (۳) خفیہ نویس اور (۴) ہرکارہ کے نامون سے
موسوم تھے، وہ مستقل طور سے مرکزی حکومت کو خبرین بھیجا کرتے تھے، یہ "دارو غۂ ڈاک چوکی" کے
ماتحت ہوتے، اوسی کے پاس تمام خطوط و کاغذات آتے تھے اور وہ انکو کھولے بغیر وزیر کے حوالہ
کر دیتا تھا کہ بادشاہ کو پہونچا دیے جائین، ایک فارسی نسخہ سے جو شاید ۱۸ صدی کے ابتدا کا لکھا ہوا
معلوم ہوتا ہے ہمکو پتہ چلتا ہے کہ وقائع ہفتہ وار، سوانح، مہینہ مین دو بار، اخبار ہرکارہ ماہوار
اور ناظم و دیوان کے کاغذات بھی مہینہ مین دو بار جانے چاہئین، البتہ اہم خبر دنکو فی الفور روانہ
کرنا چاہیے[۲]، صوبون کی دار السلطنتون کی تعداد مین تغیر ہو سکتا ہے، لیکن اون کی کثرت آمد و رفت
سے یہ بات لازمی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ محکمۂ ڈاک کے مستقل قیام کی کسقدر ضرورت ہے،
گجرات کی تاریخ مرآۃ احمدی مصنفہ محمد علی خان، دیوانِ صوبۂ مذکور سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے
کہ کم از کم ۱۸ صدی کے وسط مین یہ محکمہ بہت کچھ مکمل تھا، یہ تاریخ ۱۷۶۲ء مین لکھی گئی تھی، علیخان
کے بیان کے مطابق مخبر صوبہ کے ماتحت اخبار نویسون اور وقائع نگارون کی ایک بڑی جماعت
ہوتی جو صوبہ کے مختلف شہرون، عدالتون اور دفترون مین رہتی تھی،

"وہ روزانہ خبرین حاصل کرتا ہے اور انکو ایک خط مین درج کر کے اونٹ کے ذریعہ دربار
کو روانہ کر دیتا ہے، سوانح نگارون کی جماعت صرف افواہون کو لکھتی ہے، تیسری جماعت
ہرکارون کی ہوا کرتی ہے جو صوبہ دارون کے ساتھ رہتے ہین، ڈاک کی چوکیان احمد آباد سے

1 - Pinkerton voyages Vol VIII, p 316
2 jadunath Sarkar, Mughal administration pp 47-101

اجمیر کی سرحد تک بنی ہوئی ہین اون مین پیدل اور سوار دونون شاہی ڈاک لیجانے کے لیے تیار رہتے ہین یہ ڈاک ایک ہفتہ کے اندر شاہجہان آباد یا دہلی پہونچ جاتی ہے[۱] ڈاک کا ایک دوسرا سلسلہ بردج سے دکھن تک کا ہے[۱]"

کرنل ولکس کا بیان ہے کہ میسور کے راجہ چک دیونے جو ۱۶۷۲ء مین تخت نشین ہوا تھا سب سے پہلے اپنی تمام مملکت مین محکمۂ ڈاک قائم کیا، میسور کا محکمہ ڈاک صرف خبر رسانی ہی کا ایک معمولی آلہ نہ تھا بلکہ خبرون کے حصول کا بھی ایک کار آمد ذریعہ تھا، پوسٹ ماسٹر اور دوسرے عمال محکمہ اپنے معمولی فرائض انجام دینے کے علاوہ حکومت کے خفیہ ایجنٹ کا کام بھی کرتے اور اپنے اپنے ضلعون کی خفیہ کار روائیون کی اطلاع بھیجتے رہتے تھے۔ اس طریقہ کو حیدر علی نے اور مکمل کر دیا[۲]

قرون وسطی مین محکمۂ ڈاک حکومت کے کاروبار کے لیے مخصوص تھا اور عام لوگ اس سے مستفید نہین ہو سکتے تھے۔ ذاتی خطوط قاصدون کی معرفت روانہ کیے جاتے تھے اور یہ قاصد تجارتی مرکزون مین اکثر ملجاتے تھے، ممکن ہے کہ سرکاری قاصد بھی بعض اوقات مخصوص حالات مین ذاتی خطوط لیجاتے ہون، ان ذاتی قاصدون کو ملک کے مختلف حصون مین مختلف نام سے یاد کیا جاتا تھا، مثلاً قاصد۔ پیامبر۔ ہرکارہ وغیرہ۔ پیٹر منڈی (Peter Mundy) (۱۶۲۸-۳۴ء) کے وقت مین بازار قاصد ۱۱ یا ۱۵ دن مین پٹنہ سے آگرہ خط لیجاتے تھے،[۳] "تیز رو" قاصد پندرہ بیس دن مین دہلی اور سورت کی مسافت طے کر سکتے تھے،[۴] پتامر کے لیے عموماً گوا سے مچھلی پٹن تک بیس دن درکار تھے[۵]

ڈاکٹر فرائر (Fryer) کے بیان کے مطابق دکن مین صرف پتامر ہی پیادہ ہرکارہ تھے[۶]

1- Bombay Gazetteer vol 1 part 1, P. 214

2- Wilks Historical Sketches of the South of India vol 1 P. 89, 3- Travels of Peter Mundy, vol. II. P. 368

4- Wilson. Early Annals of the English in Bengal vol II, part II P. 90 5- Love. vestiges of old Madras (Indian Records Series) vol I. P 148

6- Fryer, East India and Persia vol I, P. 279

عام خطوط کی ابتدا ۱۶۱۲ء سے شروع ہوتی ہے، جبکہ پہلے پہل کمپنی نے محصول ادا کرنے پر اپنے قاصدون کے ذریعہ خطوط کی روانگی کی اجازت دیدی تھی، جب انگریز اول اول ہندوستان مین آئے تو انہون نے ان قاصدون سے اپنے خطوط و کاغذات کی ترسیل و تبلیغ کا کام لینا شروع کیا، لیکن چونکہ اس مین ضرورت سے زیادہ وقت اور روپیہ خرچ ہوتا تھا، اسلیے ۱۶۸۸ء مین ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے بمبئی اور مدراس کے افسرون کو حکم دیا کہ آسانی اور کمپنی کی آمدنی کے لیے اپنے اپنے یہان محکمۂ ڈاک قائم کرین، بمبئی کو حسب ذیل ہدایتین روانہ کی گئین،

"ہماری خواہش ہے کہ تمام خطوط کی آمد و رفت کے لیے ڈاکخانہ قائم کیا جائے ہر خط کا محصول مقرر ہو اور خط کے وزن کے مطابق ان محصولات کو دگنا یا تگنا کیا جائے تاکہ چند سالون مین کمپنی کو معقول فائدہ حاصل ہو اور تجار و سوداگرون کو ہمیشہ سے زیادہ سہولت نصیب ہو، اسلیے تمکو چاہیے کہ خشکی اور تری کے راستون سے ان کی روانگی کا انتظام کر کے اور مناسب مقامات پر انکی چوکی قائم کر کے، سورت اور دوسرے مقامات پر خطوط نہایت سرعت و حفاظت کے ساتھ روانہ کرو[۱]"

اسی قسم کی ہدائتین مدراس بھی روانہ کی گئین، معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۱۲ء مین مدراس مین مناسب مقامات پر ڈاکخانے قائم کر دیے گئے اور[۲] اون سے خط و کتابت مین بہت کچھ آسانیان

(ایک فنام ۱/ کے برابر ہوتا تھا)

vestiges of old Madras, 1, 544

2 - vestiges of old Madras .1, 136

پیدا ہو گئین، پہلے مدراس سے بنگال تک قاصدون کے جانے مین دو تین مہینے درکار تھے لیکن اب صرف ایک مہینہ مین خطوط جا سکتے تھے؛ ابتدائی محصولات کا پتہ نہین چلتا لیکن [illegible]ء کے محصولات یہ ہین:

فورٹ سینٹ جارج سے	ویزنگا پٹم تک	۴	فنام
"	بنگال "	۶	"
"	بمبئی یا سورت "	۹	"

اسکے بعد لارڈ کلایو کے زمانہ تک کے ڈاکخانہ کے حالات کا کوئی مفصل حال معلوم نہین لیکن لارڈ موصوف کے زمانہ مین ۱۷۶۶ء مین پہلے پہل مستقل ڈاکخانجات کے قیام کا پتہ چلتا ہے، اس کے متعلق ذیل کا حکم ہمارے سامنے ہے،

ڈاک کے بہتر انتظامات کی غرض سے حکم دیا جاتا ہے، کہ آیندہ تمام خطوط گورنمنٹ ہاؤس سے روانہ کیے جائین، پوسٹ ماسٹر یا اسکے ماتحت رات کو تمام خطوط کو چھانٹ کر روانہ کرین، کمپنی کے مختلف مقبوضات کے خطوط الگ الگ تھیلون مین بند کر کے، اونپر کمپنی کی مُہر لگا دی جائے، ذمہ دار افسر کے علاوہ کوئی اون تھیلون اور خطوط کو نہ کھولے اور اس ذمہ دار افسر کو چاہیے کہ صرف اپنے یہان کے تھیلے کو کھولے، اسی قسم کے احکامات کلکتہ جانے والے خطوط کے متعلق نافذ کیے جائین[1]،

خطوط اور پیکٹ کے بسرعت و حفاظت پہونچنے کے لیے بہت سے اور قوانین بھی بنائے گئے

وارن ہسٹنگز (Warren Hastings) کے زمانہ مین محکمہ ڈاک مین اور ترقی ہوئی،

1- Hamilton An outline of postal History and Practice etc, P. 131.

۱۷۷۴ء مین، کلکتہ مین ایک پوسٹ ماسٹر جنرل کا تقرر عمل مین آیا اور فی سو میل کے لیے ۲ فی خط محصول مقرر کیا گیا؛ عام لوگون کی سہولیت کے خیال سے ۲ کے تانبے کے ٹکٹ صرف ڈاک کے لیے بنائے گئے، ۱۷۸۴ء مین وارن ہسٹنگز نے قوانین ڈاکخانہ پر نظرثانی کی اور اسی طرح اکثر نظرثانیان ہوتی رہین تا آنکہ ۱۸۳۷ء مین عام ڈاکخانے جاری کیے گئے اور حکومت نے مقبوضات ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمام خطوط کی ترسیل و تبلیغ کی حاکمانہ ذمہ داری لے لی[1]؛

۱۷۷۵ء سے چند سال قبل بنگال اور مدراس کے مابین ہفتہ مین دوبار ڈاک کی روانگی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا؛ اسوقت تک بمبئی اور مدراس یا بمبئی اور کلکتہ کے درمیان کوئی منتظم سلسلہ نہ تھا، ۱۶۸۸ء مین یورپین تاجرون کی درخواست پر ایک پندرہ روزہ ڈاک کا سلسلہ مدراس اور بمبئی کے مابین قائم کیا گیا تھا، اسکا راستہ حیدرآباد اور پونہ ہو کر تھا اور اسمین تقریباً ۲۵ دن صرف ہوتے تھے، ۱۷۹۰ء مین اسے ہفتہ وار بنا دیا گیا اور راستہ بھی تبدیل کر دیا گیا، اب خطوط بمبئی سے مچھلی پٹن اور وہان سے کلکتہ اور مدراس جانے لگے، اس ذریعہ سے بہت سا وقت بچ گیا اور اب خطوط بمبئی سے کلکتہ ۲۶ دنون مین، مدراس ۱۷ دنون مین اور مدراس سے کلکتہ ۱۹ دنون مین پہونچ جاتے۔ پوسٹ[2] مین ہمیشہ پیادہ پا ہوتے؛ اونکی چوکیان عموماً سات آٹھ میل پر ہوتین اور ۲۴ گھنٹون مین اونکی رفتار تقریباً اسی میل ہوتی تھی[3]؛

1- Hamilton PP. 132-33: Clarke, The post office of India and its Story, PP. 13-17, 191-94.

2- Notices of old Madras, III, 79, 443-45; Selections from the letters, Despatches, and other state papers preserved in the Bombay Secretariate, Home Series, vol. II (Forrest), P. 347.

3- Rennell Memoir of Hindoostan P. 337.

[illegible] Clarke, P. 143

وزن اور مسافت کے اختلاف کے ساتھ محصول مین بھی کمی وزیادتی ہوتی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ چند ہی سالون مین اسمین مختلف تبدیلیان ہوئی تھین، ۱۶۸۸ء مین مدراس و بمبئی کے مابین خطوط کا محصول حسب ذیل تھا،

ایک خط کے لیے	۲ روپیہ
دگنے "	۴ "
تگنے "	۶ "

پیکٹ پر ۴ روپیہ فی اونس کے حساب سے محصول تھا، ۱۶۸۹ء کے بعد ۲½ تولہ وزن کے خطوط کا محصول حسب ذیل تھا،

بمبئی سے پونہ تک		۵۲ کوس	۲ ر
" حیدرآباد تک		۲۲۲ "	۸ ر
" مچھلی پٹن تک		۳۳۱ "	۱۲ ر
مچھلی پٹن سے	مدراس تک	۳۲۳ میل	۳ فنام ۴ ر
"	گنجم تک	۴۲۰ "	۴ " ۸ ر
گنجم "	کلکتہ تک	۳۰۵ "	۵ ر

۲½ تولہ سے ۳½ تک دوگنا اور ۳½ سے ۴½ تولہ تک تگنا اور ۴½ سے ۵½ تک چوگنا محصول ادا کرنا ہوتا اور یہ محصول اسی طرح بڑھتا جاتا۔ ۱۷۹۵ء مین مندرجہ ذیل محصول تھا،

ایک کوس تقریباً ۲½ کا ہوتا ہے۔

1- Selection from the letters, etc. P. 347; vestiges of old Madras III 344

کلکتہ سے		۲½ تولہ یا اس سے کم
	روپیہ	آنہ
برکپور	—	۱
راج محل	—	۳
پٹنہ	—	۵
بنارس	—	۷
ڈھاکہ	—	۳
چٹاگانگ	—	۶
بمبئی	۱	۹
مدراس	۱	۲½

۲½ تولہ سے ۳½ تولہ تک دگنا اور ۳½ سے ۴½ تک تگنا محصول ادا کرنا پڑتا اور [illegible] اسی طرح بڑھتا جاتا۔ ان محصولات پر ۱۸۰۵ء مین پھر نظر ثانی کی گئی، ۱ تولہ کے وزن کے خط کو سنگل لیٹر اور ایک سے ۱½ تک ڈبل اور ۱½ سے ۲ تک ٹربل لیٹر قرار دیا گیا، سنگل خطوط پر ۱½ فنام فی سو میل کے حساب سے محصول لگایا گیا، یہ سلسلہ بدستور جاری رہا تاآنکہ ۱۸۵۴ء مین مسافت کے خیال کو ترک کرکے تمام خطوط پر ایک ہی محصول مقرر کیا گیا،

کیرے (Carey) اپنی کتاب The Good Ol. Days of Honorable John Company مین لکھتا ہے کہ جولائی ۱۷۹۸ء مین ذاتی خطوط عام طور سے بذریعہ ڈاک روانہ ہوئے اسکے قبل

1- Carey, The good old days of Honorable John Company. vol. 1, P. 483

ایک تولہ ایک روپیہ کا ہم وزن ہوتا ہے۔

2. vestiges of old Madras III, 541.

3 _ vol. 1, P. 484

صرف چند خاص افسرون کو بلا محصول خطوط روانہ کرنے کا حق حاصل تھا،

۱۸- صدی کے اختتام سے قبل، بھاری پارسلون اور گٹھریون کے بھیجنے کے وسائل بھی موجود تھے، یہ بہنگیون پر، جو آدمی کے کاندھون پر رکھی ہوتین، لیجائی جاتی تھین، اس کو بہنگی ڈاک کہتے تھے، ہملٹن (HAMILTON) اپنی کتاب اوٹ لائنس آف پوسٹل ہسٹری اینڈ پرکٹس (OUTLINES OF POSTAL HISTORY PRACTICE) مین بہنگی ڈاک کے متعلق لکھتا ہے،

"ہندوستان، انگلستان کی وزنی اشیاء کے طریقۂ ترسیل کی ایجاد کے ایک صدی پہلے سے ایک نہایت مفید نظام کا مالک تھا، بہنگی والے ڈاک سے سست چلتے ہین تاہم ایک گٹھری ایک مہینہ کے اندر مرمت کے لیے کلکتہ جاکر درست ہو کر واپس آسکتی ہے،"[1]

—— • ——

[1] حصۂ اول صفحہ ۱۳۴،

تلخیص و تبصرہ

مسٹر جی ایس ہملٹن نے رسالہ ہبرٹ جرنل کے اپریل نمبر مین ایک نہایت مفصل مضمون لکھکر ثابت کیا ہے کہ مغربی تمدن کا خلعت ہندوستان کے جسم پر راست نہین آسکتا، یورپ کا مادی تمدن مشرق کی روحانی اور اخلاقی قوت کو فنا کر رہا ہے اور مشرق کے تمام امتیازات کو مٹا رہا ہے، ہر قوم کا تمدن اسکی جبلت فطرت، تخیلات، ملکی آب و ہوا اور جغرافی خصوصیات کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے، اسلیے ایک قوم کے تمدن کو زبردستی دوسری قوم کے سر منڈھنا، اوسکو دانستہ خودکشی پر آمادہ کرتا ہے، مسٹر موصوف کے طویل مضمون کے حسب ذیل اقتباسات پڑھنے کے لائق ہین، ان اقتباسات کے ضمن مین یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس منصفانہ اور بے لاگ رائے کے باوجود اونکے اندر اپنے مذہب کی اشاعت کا ولولہ انگیز جذبہ کس طرح دب دب کر ابھرتا، اور چھپ چھپ کر نکلتا ہے،

"اسوقت برطانیہ کو ہندوستان پر حکومت کرتے زمانہ گذر گیا ہے، بعض حصون مین دو سو سالون سے اور بعض مین ایک سو برس سے حاکم ہے، حتیٰ کہ پنجاب بھی تین نسلون سے اسکے زیرنگین ہے اور اسوقت شائد ہی کوئی ایسا متنفس موجود ہوگا جسنے آزاد ملکی حکومت دیکھی ہو، اس تمام زمانہ مین برطانیہ نے خود یا کسی دیسی ریاست کے ذریعہ ملک کے طول و عرض مین امن و امان قائم رکھا ۱۰۰۳۰۰ گنجان آباد مربع میل، اور نہایت ہی وسیع پیمانہ پر پولس کا اسقدر بہتر انتظام کیا کہ دنیا کی کوئی تاریخ اسکی مثال پیش نہین کر سکتی، ان اوقات مین کبھی بھی ہندوستان کی سرحد پر کوئی اہم حملہ ہوا، اور چند مستثنیات اور محدود شورشون کے سوا، ایک باشندہ یا سیاح خواہ انگریز یا دیسی اس قدر محفوظ رہا کہ یورپ کے کسی ملک مین بھی ممکن نہ تھا،"

"۴۰ ہزار میل ریل کی سڑک بنائی گئی، ۳۰ میلین ایکڑ بنجر زمین کی آبیاری کے لیے نہرین بنوائین گئین، دس یونیورسٹیان قائم کی گئین اور تمام ملک مین اسکولون کا جال بچھا دیا گیا، جو شخص بھی چاہے مغربی جراحی اور ادویات سے مستفید ہوسکتا ہے، ریل، کوئلہ کی کانون، روئی، جوٹ، اون حتی کہ لوہے کے کارخانون مین زرکثیر جو زیادہ تر اہل برطانیہ کا ہے، لگایا گیا ہے، غیر ملکی کارخانے اور بنک ہر جگہ کھل گئے ہین، انھون نے ہندوستان کی پیداوار کے لیے منڈیان کھولدی ہین اور اوسے اس قابل بنادیا ہے کہ وہ روے زمین کے بعید ترین حصہ سے اعتبار پر کاروبار کرسکتا ہے"

"یہ وہ مادی ترقی ہے جو برطانوی حکومت، اپنے ساتھ ہندوستان لائی ہے، ملک کا نقشہ بدل گیا ہے؛ لباس کا قدیم طرز اوٹھ رہا ہے، کارخانے کے کپڑون نے خانہ ساز کپڑون کو تقریبًا نابود کردیا ہے (تاآنکہ گاندھی نے زندہ کیا) اور یورپین وضع قطع جو اونکے مردون اور عورتون کو بہت ہی برا معلوم ہوتا ہے، اونکے خوبصورت کپڑون کی جگہ لے رہا ہے، تقریبًا ہر شخص دال اور باجرہ کی جگہ گیہون اور چاول کھاتا ہے، تیرتھ اب تفریحی سفرون سے زیادہ وقیع نہین لیکن انسان صرف روٹی کے سہارے زندہ نہین رہسکتا، اور نہ ایک قوم کی ترقی کا حال اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اوسمین اسقدر لوہے کی درآمد ہے یا اسقدر کپڑا خرچ ہوتا ہے یا اسقدر سونا اس کے پاس موجود ہے، در اصل سوال جس کا فوری جواب مطلوب ہے یہ ہے کہ آیا ہندوستان نے برطانوی حکومت مین رہکر کچھ روحانی ترقی بھی حاصل کی ہے اور پھر اگر اسکا فقدان ہے یا بہت ہی کم ہے، تو آخر کیون؟ پس اگر ہندوستان کے خیالات کو مغرب کے عیسائی تمدن مین رنگنے کے لیے یہ بھی کوئی چیز ہے تو ہمکو یقینًا اس کی طرف دیکھنا چاہیے اور اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ "مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب، اور یہ دونون کبھی نہ ملینگے" کہ مشہور مقولہ کا اب کوئی ثبوت

نہین ملتا؛ کیونکہ حکومت کا مذہب عیسائیت ہے، اخلاقیات جنکا مطالعہ کیا جاتا ہے عیسائیت سے ماخوذ ہین یا افادیات سے، تعلیم انگریزی ادبیات کے ذریعہ ہے، ایک ایسے ملک مین جہان ہمیشہ استبدادیت رہی ہو، جو سیاسی اصول سکھایا جائیگا وہ یہ ہوگا کہ دنیا کی نجات کا بہترین ذریعہ مغربی جمہوریت ہے؛ جو خوبیان بتائی جاتی ہین وہ تمام تر گوشت خوار انسانون کی ہین اور اون لوگون کی نظرون مین جو معتدل سبزی خوار ہین ظلم سے مشابہ نظر آتی ہین،"

"ہندوستان سے بہتر کہین بھی مشنریون کا انتظام نہین، یورپ اور امریکہ کے تقریبًا ہر فرقہ کی مشنری یہان موجود ہے، اور ایک شخص یہان رومن کیتھولک، چرچ آف انگلینڈ، امریکن پریس بٹرین، بپٹسٹ، چرچ آف اسکاٹ لینڈ، سونتھ ڈے اڈونٹسٹ اور چرچ آف کرسٹ کے مبلغین کو دو ہزار مربع میل کے دائرہ مین پاتا ہے؛ مشنریون نے انجیل کی تبلیغ کی، بیمارون کو اچھا کیا، بچون کو تعلیم دی اور ہر جگہ بھلائی کرتے رہے لیکن ہندو اور مسلمانون نے انکو اتنی نفرت سے دھتکارا کہ فلسطین کے یہودیون نے بھی حضرت عیسٰیؑ سے نفرت نہ کی ہوگی، نیچ ذاتون کے علاوہ شاید ہی چند متنفس عیسائی بنائے گئے ہون، چند ہندوستانیون نے جذبۂ شوق مین اپنے الگ کلیسا قائم کیے ہین پر وہ سب کے سب مشنریون کے مسلسل نگرانی و امداد کے محتاج ہین، یہ سچ ہے کہ ہندوستان کے بعض حصون مین ایک بڑی جماعت نے عیسائیت کی طرف اپنے رجحان کا اظہار کیا ہے لیکن یہ بڑی جماعتین اون نیچ ذاتون کی تھین جو نہ ہندو ہین اور نہ مسلمان، اور خواہ ہم اسکو روحانی بیداری سمجھکر خوش ہون یا معاشرتی ترقی سمجھکر روا رکھین، یہ ہمکو اوس راستہ کا جو مسلمان اور ہندو آیندہ چلکر اختیار کرین گے پتہ بتانے سے بالکل قاصر ہے، بلکہ یہ خیال کہ اونہین اون لوگون سے جو پہلے مہتر یا چمار تھے مساویانہ حیثیت سے ملنا پڑیگا، اوس قومیت کے رکاوٹ کے علاوہ جسے عیسائیت نہ توڑسکی اور نہ سہل کرسکی، ایک اور دیوار کھڑی کرتا ہے، اسلام اور ہندو

مذہب دونون اسوقت ہمیشہ سے زیادہ مضبوط ہین، کیونکہ قومیت و وطنیت کے جدید جذبات
اِن دو بڑے مذاہب مین وہ رشتہ اتحاد پاتے ہین جو ہندوستان کے کسی واحد زبان یا واحد
سیاسی نقطۂ خیال کے روایات مین نہین ملسکتا؛ ہندوستان مین حال کی تمام مذہبی بیداریان
مذہبی ہونے کے بجائے زیادہ تر سیاسی و وطنی ہین، مثلاً آریہ سماج تحریک۔ اتحاد اسلامی، اور سکھونکا
خالصہ فرقہ، ہندوستان کسی نہ کسی دن عیسائی ہو سکتا ہے، لیکن یہ امید اسوقت اور درخشان ہو جائیگی
جبکہ انگلستان اسپر حکومت کرنا چھوڑ دے، اور شریان اپنا قومی و نسلی غرور اور قدیم دیوتاؤن سے
لڑائی باقی نہ رکھین،،

عیسائیت کا یہی ایک اصول نہین ہے جو ٹھکرا دیا گیا ہے، ہر وہ شخص جو ہندوستان مین ہندوستانیون
سے اکثر ملا ہے، جانتا ہے کہ حتی کہ وہ ہندوستانی جسنے مغربی تعلیم حاصل کی ہے، اخلاق، ترقی، تعلیم
اور سیاست کے ہر مسئلہ کو بالکل ہی دوسری نظر سے دیکھتا ہے، جو مخاطب کے نقطۂ خیال سے کچھ بھی تعلق
نہین رکھتی، انگریزون سے زیادہ وہ مادی قوت کے بجائے روحانی اشیاء کو قدر و منزلت
کی نگاہ سے دیکھتے ہین؛ یہ بالکل ہی ناقابل تخیل خیال ہے کہ ہندوستانی کسی قسم کے بھی افادی
اخلاق کو قبول کرلینگے یا خدا کے رضا و قہر کی جگہ کثیر ترین تعداد کی بہترین نیکی کے اصول کو دین گے
پیدائش اور حتی کہ تقدس انسان کے معاشرتی درجہ کو متعین کرتا ہے لیکن دولت تو اس لائق بھی نہین
وہ روحانی خیالات جو یورپ مین رائج ہین ہندوستانیون پر کچھ بھی اثر نہین کرتے؛ مثلاً ہندوستانی
کسی صورت سے بھی انسانی برادری کو تسلیم نہین کرتے۔ وہ اس بات کو نہین مانتے کہ ہر شخص کو مساویانہ
مواقع حاصل ہون اور وہ مساویانہ معاشرت و اشتراکیت سے نفرت کرتے ہین؛ ہندوستان
اسوقت تک اوس انقلاب سے جو فرانس نے ۱۷۸۹ء مین شروع کیا ہے نہین گذرا ہے؛ اعلیٰ قومین
ابتک نیچ قومون یا بے ذات قومون کو جانورون سے کچھ ہی بہتر سمجھتی ہین، اور یہ نیچ قومین ابھی

حالت مین بالکل مطمئن ہین اور انہین اس معاشرتی تذلیل کے ہٹانے کا مطلقاً کوئی خیال بھی نہین ہے
”اسکے علاوہ صداقت کے مسئلہ کو لیجیے، ہندوستانی ویسے ہی مشرقی ہین جیسا کہ روایت
پیش کرتی ہے، خلوص کے بجائے تصنع و ظاہر داری ابتک اس کے نقطۂ خیال ہین، اور وہ چہرہ
جو حقیقت کو ظاہر ہونے نہین دیتا اوس سے جو دل کھولکر صاف بات کہتا ہو زیادہ ممدوح ہے،
ہندوستان کے تمام اسکول و کالج، شائد اس وجہ سے کہ وہ تمام تر دنیاوی تعلیم کے لیے ہین، اونکی
روشِ صداقت کی تبدیلی مین ناکامیاب ہین۔ ذہنی صداقت اوس معیوب نظر سے دیکھی جاتی
ہے جس سے اظہار حقیقت، ہندو مذہب اس بات پر مصر ہے کہ تمام قصون کو بیک وقت دینیات
و تاریخ سمجھا جائے اور اسلام جو قرآن کے لفظی صداقت پر بھی کچھ پوچھنے کو منع کرتا ہے یہ دونون
کے دونون اس بات کا ارادہ کیے بیٹھے ہین کہ وہ ہر اوس بات سے جو اون کی مقدس کتابون
کے مطابق نہ ہو صاف انکار کر دین؛ اون لوگون کو جو ایک آنکھ بند کر کے تدارک کرتے ہین
صداقت نہین ملسکتی،،

مغربی اثر نے ہندوستان کی تقریباً تمام صنعتون کو مردہ کر دیا ہے، عجیب قسم کے
باریک کپڑا بننے والون زردوزون، بڑھیون اور سنگ تراشون مین حسن و خوبصورتی کی
حقیقی تمیز و ذوق تھا۔ مگر مغربی مانگ اور مغربی نمونون نے ایکطرف تو اونکی تمام خوبیان برباد کر دین اور دوسری طرف
انکو حسن کا صحیح معیار بھی نہ بتایا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ارزانی اور بیکار چیزونسے کام لینے کے عادی ہو گئے،،
”اِن تمام واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ مغربی ترقی کی شاہراہ جو مغربی تمدن کیطرف رہنمائی کرتی ہے
ہندوستانی ارتقاء کی راہ نہین ہے، اس شاہراہ سے ہٹ کر کوئی دوسرا راستہ ہندوستان کے لیے
ہے جو اوسے کسی دوسری منزل مقصود تک لیجائے،،

—— • ——

اخبارِ علمیہ

کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانہ مین اسلامی مضامین پر جو قلمی کتابین ہین، ان کی فہرست بائیس سال ہوے پروفیسر براؤن نے مُرتب کی تھی۔ اس اثنا مین قریب ۸۰۰ کے قلمی کتابین یونیورسٹی لائبریری مین، اور تقریبًا اسی تعداد مین مختلف کالجون کے کتب خانون مین خرید کر داخل ہوئی ہین۔ سب کی مجموعی تعداد ۱۱۵۰ ہے۔ پروفیسر موصوف اِسوقت ان قلمی کتابون کی مفصل و شرح فہرست مُرتب کرنے مین مصروف ہین، (ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ)

رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لنڈن) کا سہ سالہ تمغۂ طلائی، جو مستشرقین کے ہان ایک خاص طرۂ امتیاز سمجھا جاتا ہے، اب کی بار پروفیسر گائلز کی قسمت مین آیا، جو کیمبرج یونیورسٹی مین چینی زبان کے پروفیسر ہین، اور چینی زبان اور اس کے متعلقات کے بڑے محقق تسلیم کیے جاتے ہین، اس تمغہ کی تاریخ آغاز سنہ ۱۸۹۷ء ہے، اور اُسوقت سے ہر تین برس کے بعد اہم مستشرقانہ خدمات کے اعتراف مین یہ عطا ہوتا رہتا ہے۔ اِسوقت تک اصحاب ذیل کے حصہ مین آچکا ہے۔

سال	نام محقق	نوعیت خدمات
سنہ ۱۸۹۷	پروفیسر کوول	تحقیقات متعلق بہ زبان سنسکرت
سنہ ۱۹۰۰	اڈورڈ ولیم ویسٹ	زبان پہلوی سے کتب مقدسہ کا انگریزی مین ترجمہ کیا
سنہ ۱۹۰۳	سر ولیم میور	تالیفات متعلق بہ اسلام و شارع اسلام،
سنہ ۱۹۰۶	ڈاکٹر پوپ	تحقیقات متعلق بہ زبان تامل
سنہ ۱۹۰۹	سر جارج گریرسن	تحقیقات متعلق بہ السنۂ ہند،
سنہ ۱۹۱۲	ڈاکٹر فلیٹ	
سنہ ۱۹۱۵	(۱) مسز لیوس (۲) مسز گبس	تحقیقات متعلق بہ علوم چین
سنہ ۱۹۱۸ء	ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ	تالیفات متعلق بہ تاریخ ہند
سنہ ۱۹۲۱	پروفیسر گائلز	تالیفات متعلق بہ ملک چین

(ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ)

بابر نامہ (شہنشاہ بابر کی خود نوشت سوانح عمری) کا ایک ترجمہ انگریزی زبان مین مسٹر ارسکن کا کیا ہوا پیشتر سے موجود تھا۔ مگر وہ براہ راست ترکی سے نہین، بلکہ فارسی ترجمہ سے ہوا تھا، اسلیے ترجمہ در ترجمہ ہوگیا تھا۔ ماہ جولائی مین مسز بیورج کے قلم سے اُسکا ایک جدید ترجمہ انگریزی زبان مین ہوا ہے، جو براہ راست ترکی سے ہوا ہے۔ لنڈن کے مشہور مشرقی دار الاشاعت لیوزک کمپنی نے اسے شائع کیا ہے۔ کتاب دو ضخیم جلدون مین ہے، اور قیمت دو پونڈ ساڑھے بارہ شلنگ ہے، خاتون موصوفہ دس سال سے اس کام مین مصروف تھین۔ کتاب کو انھون نے چار حصون مین تقسیم کیا ہے، پہلا حصہ متعلق بہ فرغانہ، سنہ ۱۹۱۲ء مین تیار ہوگیا تھا، دوسرا حصہ متعلق بہ کابل سنہ ۱۹۱۴ء مین، تیسرا متعلق بہ ہندوستان سنہ ۱۹۱۷ء مین اور چوتھا، جو دیباچہ، فرہنگ وغیرہ پر مشتمل ہے سنہ ۱۹۲۱ء مین تیار ہوا۔

سوویٹ کی عملداری (روس) سے وسط مئی کا چلا ہوا ایک خط کچھ روز ہوے جنوبی لنڈن مین ایک صاحب کو موصول ہوا، جس کی تین فٹ طویل اور سات انچ عریض رقبہ مین ٹکٹ چسپان تھے، ٹکٹون کی تعداد ۱۵۰ تھی، جن مین ۵۰ کی قیمت دو دو سو روبل تھی، اور سو ایسے تھے، جو تین تین سو روبل والے تھے، گویا کل ٹکٹون کی مجموعی تعداد ۴۰۰۰۰ روبل تھی۔ جنگ سے قبل ایک روبل تقریبًا دو شلنگ کے

مساوی ہوتا تھا، اس حساب سے ٹکٹون کی قیمت ۴۰۰۰ پونڈ ہوئی، لیکن موجودہ شرح تبادلہ کے لحاظ سے یہ چالیس ہزار روبل بہت ہی حقیر قیمت کی شے ہین، (ڈیلی میل)

معزول قیصر جرمنی نے اپنے قلم سے اپنی سوانح عمری (تزک قیصری) تالیف کی ہے، امریکہ کے ایک دارالاشاعت نے اس کے حقوق تالیف ۵۰۰۰ پونڈ (۷۵۰۰۰ روپیہ) معاوضہ دیکر خرید کیے ہین، اس کی پہلی قسط غالباً یکم ستمبر کو شائع ہو گئی ہو، (ایضاً)

یورپ مین مشہور تصانیف کے قلمی نسخون اور ابتدائی ایڈیشنون کی جو قدر ہوتی ہے، اسکا اندازہ اس سے ہوسکیگا، کہ حال مین جب شکسپیر کے مجموعۂ تصانیف کا نیلام ہونے لگا، تو پہلی بولی ایک ہزار پونڈ سے شروع ہوئی اور بالآخر ۸۶۰۰ پونڈ کی بولی پر پہنچکر نیلام ختم ہوا! یہ مجموعہ ۱۶۲۳ء مین طبع ہوا تھا، دوسرا مجموعہ جسکا سال طباعت بھی یہی تھا، ۵۴۰۰ پونڈ مین نیلام ہوا! یہ دونون نیلام ایک امریکی شائق علم مسٹر روزن بیک کی بولی پر ختم ہوئے۔ اسی نیلام مین فارسی کی بھی ایک قلمی کتاب جسکا نام نہ معلوم ہوسکا، اور جس پر سال کتابت ۱۵۴۰ء درج ہے، ۸۰۰ پونڈ مین فروخت ہوئی، (ایضاً)

حال مین بعض دیوہیکل موٹرین ایسی ایجاد ہوئی ہین، جن کی شرح رفتار دو میل فی منٹ کی ہے! انکے چلانے سے پیشتر کئی گھنٹہ تک انتہائی احتیاط و اہتمام کے ساتھ انکے ایک ایک پُرزہ کو تیار کیا جاتا ہے، اور اس کے بعد یہ چھوڑی جاتی ہین۔ ان کی سب سے سست رفتار ایک میل فی منٹ کی ہوتی ہے، اس کے بعد تیزی کے ساتھ شرح رفتار بڑھنے لگتی ہے، ابھی ۹۰ میل فی گھنٹہ تھی اب

ادبیات

محمد علی کی یادین

از مرزا احسان احمد بی اے

اے پردہ کشائے حسن عرفان — اے جلوہ دہ ہلال احمر
صدقے تری جان نثارین کے — فطرت کا بدل دیا ہے منظر
جو رنگ ہے تیری زندگی کا — آزادی روح کا ہے مظہر
پامال ہے یون جو کفر و باطل — یہ تیرے خلوص کی ہے ٹھوکر
لرزان تری خاکساریون سے — بنیاد غرور و فتنہ و شر
ہر موج نفس مین تیری پنہان — سرمستیِ موجِ جامِ کوثر
کاشانۂ زندگی مین تیرے — قندیلِ حرم ہے جلوہ گستر
آئینۂ جان کا تیرے صیقل — خاکِ درِ ملتِ پیمبر
یہ چہرۂ تابناک تیرا — فردوس ارم کا اک گل تر
لبریزِ گداز ہے ترا دل — سرشارِ نیاز ہے ترا سر
ہے تیری نوائے حریت سے — معمور فضائے ہفت کشور
آتشکدۂ حیات تیرا — ہے سوزِ بلال رض سے منوّر
ہے ذوق فنا یہ تیرے نازان — جانبازی کشتگانِ خیبر
دنیا کو دکھا دیا ہے تونے — توحید کا پُرجلال منظر

ہے اس مین نہان حیاتِ مُسلم
کُل ہے یہی کائناتِ مُسلم

اے جلوہ فزاے بزمِ ہستی — اے مایۂ نازشِ زمانہ
لایا ہے ازل سے تو اسیری — تیرا ہے قفس ہی آشیانہ
تو لاکھ شکست کھائے لیکن — انداز ترا ہے فاتحانہ
سرمایۂ تقویت ہے تیرا — عدلِ عمری کا تازیانہ
ہر پیروِ دینِ احمدی سے — رشتہ ہے ترا برادرانہ
ہے مایۂ کیفِ روح تیرا — توحیدِ خلیل کا ترانہ
پھر یاد دلا دیا ہے تو نے — سلمانؓ و صہیبؓ کا فسانہ
ہے تیری جبینِ آرزو کا — صحرائے حجازؑ آستانہ

جو جامِ شراب آگہی ہے
سرچشمۂ کیف معنوی ہے

اے لمعہ فروزِ برقِ ایمان — اے آفتِ خرمنِ ستمگر
سرمایۂ نازشِ خرد ہے — تیرا یہ جنونِ روح پرور
وہ روحِ حیاتِ جاودان ہے — جو در وہ ہے تیرے دل کے اندر
ایمان کی تیرے ٹھوکرون سے — رعنائیِ کفر ہے نگون سر
ہے ولولۂ خلوص تیرا — آغوشِ ستم کا ناز پرور
دنیا کے جلالِ ظاہری سے — ہے شان تری بلند و برتر
تو خسروِ بوریا نشین ہے — ہے ننگ تجھے کلاہ و افسر

تو میل ہوئی یہان تک کہ پورے ۱۲۰ میل فی گھنٹہ ہوگئی۔ اس حالت مین شور اس قیامت کا ہوتا ہے، کہ بات چیت کی آواز کان مین آنا ناممکن ہوجاتی ہے، مجبوراً سر و دست کے اشارات سے گفتگو ہوتی ہے، چلنے مین ہوائی جہاز کی سی خراہٹ ہوتی ہے، اور سوارون کو یہ محسوس ہوتا ہے، کہ بجائے زمین پر حرکت کرنے کے ہوا مین اُڑ رہے ہین (ایضاً)

برسلا (علاقہ جرمنی) سے خبر آئی ہے، کہ ایک نوجوان شخص جو ایک لوہار کی دوکان پر کام کرتا تھا، ایک مکان کی چھت سے گر پڑا۔ لوگ اٹھا کر اسپتال مین لے گئے۔ ڈاکٹرون نے معائنہ کرکے یہ پایا، کہ اسکا سر ٹوٹ گیا ہے، اور بجز ایک کے ساری پسلیان شکستہ ہوگئی ہین، مجروح ۱½ سال تک اسپتال مین رہا، اس کے بعد ڈاکٹرون نے اسکے سر کے استخوان شکستہ مین دہات کی ایک پلیٹ لگا دی، اور ٹوٹی ہوئی پسلیون کے بجائے سونے اور پلاٹینم کی پسلیان لگا دین، ان اعمال جراحی کی تکمیل مین ۲½ سال کی مدت اور صرف ہوئی، اس کے بعد مجروح کو اسپتال سے خلاصی ہوئی، اور اب وہ اچھی طرح چلتا پھرتا ہے۔ البتہ سونے اور پلاٹینم جیسی بیش بہا معدنیات کے اُس کے جسم مین داخل ہونے کے باعث اسکی جان کافی پُر خطر ہوگئی ہے، اس لیے حکومت کو اس کی حفاظت کا خاص انتظام کرنا پڑا ہے، اور اس کی نگہبانی کے لیے پولیس مقرر کردی گئی ہے، جو چورون اور قزاقون کی دستبرد سے اسے محفوظ رکھے، (ایضاً)

برطانیہ کے مشہور استاد سائنس، سر آلیور لاج نے، جنھون نے حال مین اپنی اکھتروین سالگرہ منائی، اخبار ڈیلی میل کے ایک نمایندہ سے بیان کیا، کہ وہ اپنے وقت کا بڑا حصہ لاسلکی سے متعلق تحقیقات مین صرف کرتے رہتے ہین، اور ایک مددگار کی اعانت سے اسی کے متعلق تجربات

واختیارات مین مصروف رہتے ہین۔ سر آلیورنے یہ بھی کہا کہ بارش کا انحصار فضا کی کہربائیت پر
ہے، مصنوعی وخارجی تدابیر سے اگر فضا مین کافی برقیت پیدا کردی جائے، تو فوراً بارش ہونے
لگے۔ انھون نے یہ توقع ظاہر کی، کہ کسی زمانہ مین ایسا ہو کر رہیگا، (ایضاً)

ڈرہم روڈ، پلمسٹیڈ (انگلستان) مین ایک مُعمّر خاتون مقیم ہین، جنھون نے ۷۔ اگست کو اپنی
عمر کے ۱۰۵ سال ختم کرکے ۱۰۶ سال مین قدم رکھا۔ انکی ساری عمر دیہات مین گذری ہے، انکے قویٰ
مین ابتک کوئی غیر معمولی ضعف نہین، صرف کسی قدر ثقل سماعت ہے۔ ہاضمہ اتنا اچھا ہے، کہ شب و روز
مین چار مرتبہ سیر ہوکر کھانا کھاتی ہین، اور سال بھر ادھر تک بصارت ایسی تھی، کہ کتابین پڑھ لیتی
تھین، ۳۶ سال ہوے جب انکے شوہر کی وفات ہوئی، (ایضاً)

سر ولیم گیری نے اپنے پارک واقع کینٹ (انگلستان) مین ایک عجیب قسم کا باغ لگایا ہے، سڑک
کے کنارے دورویہ درختون کی قطارین ہین، جو تقریباً نصف میل تک چلی گئی ہین، اور صنعت
یہ رکھی ہے کہ درختون کا آغاز انگریزی ابجد کے ابتدائی حرف (اے) سے ہوتا ہے، بعد والے درخت
بعد کے حروف (بی۔ سی وغیرہ) سے شروع ہوتے ہین یہان تک کہ انکا خاتمہ انگریزی کے آخری حرف
(زڈ) پر ہوتا ہے، (ایضاً)

کلکتہ کے ایک نامور مُسلمان خاندان کے ایک نوجوان رُکن حسن شاہد سہروردی کو آٹھ دس
سال ہوئے علیگڈھ کالج نے وظیفہ دیکر حصول تعلیم کے لیے یورپ روانہ کیا تھا۔ وہ انگلستان سے
روس چلے گئے تھے، کہ جنگ چھڑ گئی، اور عرصہ تک ان کی خبر نہ معلوم ہوئی۔ اب تازہ اطلاعات سے

معلوم ہوا، کہ وہ بخیریت ہین، اور اس اثنا مین اپنے مذاق کے مضامین کا برابر مطالعہ کرتے رہے
کے مخصوص ذوق کی چیزین، فنون لطیفہ اور خصوصاً ڈراما اور تھیٹر ہین۔ ان مضامین مین انھون نے
کمال کے ساتھ شہرت بھی حاصل کی ہے، اور ان کی تحریرین ان عنوانات پر روس کے مشہور رسالون مین
شائع ہوتی رہتی ہین، روسی زبان پر انہین پوری قدرت حاصل ہوگئی ہے، اور جرمن و فرنچ زبانون
مین بھی کافی مہارت بہنچالی ہے، (کالیجین)

امریکہ کی اکاڈمی آف پولٹیکل اینڈ سوشل سائنس کے سہ ماہی رسالہ مین ایات یورپ و
مسائل زر پر بعض اہل ہند مقیم یورپ و امریکہ کے مضامین کو بھی جگہ ملنے لگی ہے، جس سے ظاہر ہوتا
ہے، کہ ان معاملات مین بعض اہل ہند ماہرین فن کے مرتبہ پر تسلیم کرلیے گئے ہین، (ایضاً)

پیرس کے ایک مستشرق جبریئیل فرانڈ عربی سے فرنچ مین ترجمہ کرکے ایک کتاب اس عنوان سے
شائع کررہے ہین "ایک عربی سیاح، سلیمان کا سفرنامۂ چین و ہند" یہ سفرنامہ تیسری صدی ہجری کا ہے (ایضاً)

ڈاکٹر ڈوگین ڈائرکٹر شعبۂ اصوات، کتبخانہ سرکاری برلن کے حسب فرمایش ایک ہندوستانی
پروفیسر بینوے کمار سرکار کی آواز انگریزی زبان کو ادا کرتی ہوئی ایک فونوگراف مین محفوظ کی
گئی ہے۔ نامور ماہر سنسکرت ڈاکٹر لوئیڈرس کی فرمایش پر انہین صاحب کی آواز بنگالی زبان کو ادا
کرتی ہوئی بھی فونوگراف مین محفوظ کی گئی ہے (ایضاً)

مستشرقین جرمنی کی کانفرنس کا دوسرا سالانہ اجلاس اگلی مرتبہ برلن مین ۴ لغایت ۶۔ اکتوبر

منعقد ہوگا، یہ کانفرنس، جرمن اورنیٹل سوسائٹی (لیزگ) کے زیر اہتمام منعقد ہو رہی ہے، جس کی عمر ۵، سال کی ہو چکی ہے۔ بانیان کانفرنس ہندوستان کے شائقین علم و فن سے مالی امداد کے مستدعی ہین

(کا۔لجین)

کچھ روز ہوئے کولمبس سرکل (امریکہ) مین ایک خستہ و ماندہ کبوتر زمین پر پڑا ہوا ملا۔ تفتیش سے اسکے بازو پر ایک مکتوب بندھا ہوا ملا، جس کے کاتب ایک محقق حیوانات مسٹر ایڈ سنڈ ہیلر تھے، جو ایک کوہستان مین جاکر راہ بھول گئے تھے، اور وہان سے طلب امداد کے لیے اس کبوتر کو قاصد بنا کر بھیجا تھا اس مقام سے جہان یہ کبوتر ملا ہے اُس کوہستان کا فاصلہ ۱۹۰۰ میل کا ہے، یہ فاصلہ اس نے غالباً پانچ دن مین طے کیا۔ اس حساب سے اس کی شرح پرواز ۳۸۰ میل فی یوم پڑتی ہے،

اِنڈیانا (امریکہ) مین ڈاکٹر دن کو ایک عورت مسز ہیلن وریسکو دسکی کی بابت ایک نہایت عجیب تجربہ ہوا، کہ جسوقت وہ اپنے گم شدہ فرزند کو تلاش کر رہی تھی، ایک ٹرین نے آکر اسے دھکا دیا، جس کے صدمہ سے وہ گر پڑی، اور دوسرے روز اسکی حرکت قلب بند ہو گئی، تاہم وہ مری نہین! ڈاکٹر اسکی نبض ڈھونڈھتے تھے، نبض کا پتہ نہ تھا، تاہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا! ڈاکٹر دن کا بیان ہے، کہ اس طبی خرق عادت کا باعث محض اس کی ماتا تھی، لڑکے سے اسکا تعلق خاطر اسدرجہ زبردست تھا، کہ اس نے حرکت قلب رک جانیکے باوجود بھی اسکو زندہ رکھا، تیسرے روز حرکت قلب از سرِ نو جاری ہو گئی، اور عورت تندرست ہو کر اسپتال سے رخصت ہوئی

احمدآباد میونسپلٹی کے حدود مین اسوقت جتنے طلبہ قومی مدارس مین زیر تعلیم ہین، انکی تعداد ۸۰۰ ہزار اور انکے لیے ۲۷۰ اساتذہ کام کر رہے ہین، اسکے مقابلہ مین سرکاری و نیم سرکاری مدارس مین طلبہ کی تعداد کُل ۷۰۰۰، رہ گئی ہے اور انکے لیے ۲۵۰ اساتذہ کام کر رہے ہین، گویا ہر مدرس کے حصہ مین کل سات سات لڑکے آتے ہین۔ (بمبئی کرانیکل)

ہمت ترے قلب ناتوان کی — غیرت دہ قیصر و سکندر
اک نعرہ ترے شکستہ دل کا — برہم زنِ صد ہزار لشکر
محرومِ وطن ہے گرچہ لیکن — ہر دیدہ کا ترین ہے ترا گھر
ایثار ترا، تری سپر ہے — بیکار ہے سعیِ تیغ و خنجر
کیا خوفِ عدو ہو تجھپہ طاری — خود رحمتِ حق ہے تیری یاور
تبلیغِ پیامِ راستی ہے — کُل سعی و عمل کا تیرے محور

تو تشنۂ ذوق ہے اسی کا
مقصود یہی ہے زندگی کا

اے محرمِ رازہاے فطرت — اے جلوہ شناسِ برقِ ایمن
آغوش ترے گداز دل کا — ہے برقِ حیات کا نشیمن
خاموشیِ لب پہ تیری قربان — ہنگامۂ جوشِ آہ و شیون
ویرانیِ دل پہ تیری نازان — شادابیِ صد بہار گلشن
تیرے اعجاز سادگی سے — شرمندہ فسون حیلۂ و فن
دابستۂ ذوق دار و زنجیر — ہے روز ازل سے تیری گردن
گلہاے ریاضِ معنوی سے — معمور ہین تیرے جیب و دامن
اک برق سی کوندتی ہے ہر سو — سینہ ہے ترا کہ دشت ایمن
ناکامیِ ظاہری پہ تیری — نخ ابدی کا ہے سایہ افگن
مسلم کے لیے ہے ذات تیری — امید کا اک چراغ روشن
لبریزِ فروغِ جاودانی — آئینۂ صبحِ زندگانی،

باب التقریظ والانتقاد

تنقید دیوان فانی

از

جناب محمد الدین صاحب تاثیر بی اے لاہور

پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ مین ذاتی طور پر نہ تو صاحبِ دیوان کو اور نہ نقاد (مولانا عبدالسلام صاحب ندوی) کو جانتا ہون، اس بنا پر میرے خیالات جنبہ داری کے عیب سے پاک ہین، معارف جولائی سنہ ۱۹۲۲ء مین دیوانِ فانی پر جو تنقید چھپی ہے، وہ یقیناً صحیح معنون مین تنقید ہے معزز نقاد نہ تو پرانی لکیر کا فقیر ہے اور نہ تصوف و فلسفہ کی چاشنی، بدائعِ تراکیب یا کسی جائز جدت طرازی کا وہ اصولاً مخالف ہے اور وہ ذاتی دوستی یا عناد کے احساس سے بھی میرا نظر آتا ہے اُسنے کلام کے عیوب اور محاسن دونون بیان کر دیے ہین، اُردو ادب کی تاریخ مین اس قسم کی تنقید کی مثالین بہت کم نظر آتی ہین، مجھے عموماً اس تنقید سے اتفاق ہے تاہم کہین کہین اختلاف بھی ہے، جسکا ظاہر نہ کرنا درحقیقت جرم اخفاے شہادت ہے،

تنقید کے پڑھنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ مولنا لکھنؤ کے مذاق اور آدابِ سخن کے حامی ہین اور یہی ایک مرکز مولنا کے تمام اعتراضات کا محور ہے، مثلاً فانی کہتے ہین،

لوحِ دل کو غمِ الفت کو قلم کہتے ہین — کُن ہے اندازِ رقم حسن کے افسانے کا

اعتراض یہ ہے کہ "غمِ اُلفت کا قلم نہ حقیقۃً" صحیح ہے نہ مجازاً نہ استعارۃً" یہ محض ذوقی بات ہے۔ شاعر غمِ اُلفت اکو وجہ تخلیق سمجھتا ہے، اور اس لیے لوح پر جو کچھ

منقوش ہے وہ خانۂ غم کی نقش آرائی ہے، دل کو لوح سے اور حرف کُن کو اندازِ رقم سے تشبیہ دی گئی ہے تو غم الفت کو اوسکا قلم بنایا گیا جو باعث تخلیق و آفرینش ہے، غرض یہ کائنات، نقاشِ ازل کی تحریر ہے اور غم عشق آلۂ تحریر، یہ صوفیا کے ایک پامال خیال کی بدیع تعبیر ہے،

چار زنجیر عناصر پہ ہے زندان موقوف — وحشتِ عشق ذرا سلسلہ جنبان ہونا

"عناصر کے لیے زنجیر کا استعارہ بحث طلب ہے" جسم خاکی کو زندان کہنا عام بات ہے اور اس رعایت سے عناصر کو زنجیر کہنا شاعری کی جان ہے، ممکنات عالم کے پاؤن مین عناصر اربعہ کی چار زنجیرین پڑی ہین، جس سے وہ زندان ہستی مین مقید ہے، اس لیے عناصر کے لیے زنجیر کا استعارہ بہت مناسب ہے،

یون نہ کسی طرح کٹی جب مری زندگی کی رات — چھیڑ کے داستانِ غم دل نے مجھے سُلا دیا

"زندگی کے دن کاٹنا محاورہ ہے، زندگی کی رات کاٹنا محاورہ نہین" لیکن سوال یہ ہے کہ جس کی تمام زندگی ایک تاریک رات ہو وہ محاورہ کو کیا کرے۔ یہ بظاہر خلاف محاورہ ترکیب فانی کے (Pessimistic) یاسیہ فلسفۂ زندگی کا مظہر ہے، اسیطرح۔

عزیزِ خاطرِ فطرت ہے جانِ عبرت ہے — ہر ایک ذرہ جو اس عالم غبار مین ہے

اعتراض ہے "عالمِ غبار، کے لیے فارسی زبان سے سندِ متواتر درکار ہے"، جواب یہ ہے کہ سند درکار نہین۔ "عالمِ غبار" کی ترکیب ایک بسیط فلسفۂ فنا کو لیے ہوئے ہے، "عالمِ خاک" تو عموماً شعرائے قدیم نے باندھا ہے کیونکہ اون کے نزدیک انسان کی تخلیق کا جزو غالب مٹی تھی، لیکن اب جب کہ عناصر تخلیق ذرات، اجزاے فردہ اور سالمات ہین تو عالمِ غبار کیون نہ کہا جائے علاوہ ازین عالم خاک کہنے سے تو عالم کے وجود کا کسیقدر استحکام بھی سمجھا جاسکتا ہے لیکن جب شاعر اوسکو عالم غبار کہتا ہے تو اوس سے مقصود یہ ہے کہ اوسکے نزدیک عالم مین اتنا استحکام اور استواری

اور شیرازہ بندی بھی نہین جسقدر خاک مین ہے، جب نقاد جائز جدت طرازی کا مداح ہے تو پھر اوسکو
"ردیاے پریشان" اور "تڑپتا ہوا جگر" کے لیے سندِ متواتر کیون درکار ہے،

اے اجل گھبرائیگا تنہائی تربت سے دل | یہ ابھی بھولا نہین ہے جوشِ وحشت کے مزے

"اعتراض ہے۔ "وحشی تنہائی سے نہین گھبراتا ہے" یہ شاید نفسیات کا مسئلہ ہو، ہم نے تو تنہائی کو وحشتِ انگیز
سنا ہے اور وحشت خود ایک حالتِ اضطراب یا گھبراہٹ کا نام ہے،

کاش مین واقف ہوتا رسم و راہِ عشق سے | کاش تم سمجھو کہ عشقِ فتنہ گر کیا چیز ہے

"توازن کے لیے سمجھو کی بجائے "سمجھتے" ہونا چاہیے" یقیناً اگر ایسا ہوتا بہتر ہوتا، مگر وزن کی
قید سے یہ عدم توازن پیدا ہوا ہے،

عشقِ صادق وہ کہ دل سے لب تک آ سکتا نہین | حسنِ یکتا وہ کسی نے جسکو دیکھا ہی نہین

"عشق صادق کا لب تک آنا بالکل بے معنی ہے"، بالکل بے معنی، ایک فیصلہ کن حکم ہے۔ مگر آگے
چلکر نقاد خود ہی کہتا ہے کہ "یہ دونون مصرعے قابلِ تاویل ہین"، ظاہر ہے کہ عشق صادق کے لب تک
آنے کا مقصود اوسکے اظہار کا لب تک آنا ہے، اور قرینہ اس حذف پر دال ہے،

وہ تیری بزم تھی نہ ملی جسمین چپ کی داد | یہ حشر ہے یہان تو کھلے گی زبانِ داغ

"زبانِ داغ، نہ حقیقتہً صحیح ہے نہ استعارۃً" یہ مین نہین سمجھا کہ یہ استعارۃً کیون صحیح نہین، مقصود
یہ ہے کہ غم عشق کے داغ خود نمایان ہو کر وجہ اظہار ہو جائینگے، اور یہی "داغ کی زبان" ہے
یہ استعارہ تو بالکل کھلا ہوا ہے،

پھاڑ کر فانی گریبانِ لحد | ہم چلے دامانِ محشر کی طرف

"گریبانِ لحد کا استعارہ بحث طلب ہے" یہ استعارہ بھی صاف ہے۔ لحد کی ظاہری صورت
گریبان سے ملتی جلتی ہوتی ہے، اس لیے اوسکو گریبان لحد سے تعبیر کیا ہے، جس طرح انسان گریبان مین

منھ ڈالتا ہے، اوسی طرح مردہ بھی لباس قبر مین چھپنے کے لیے اوسمین منھ ڈالتا ہے،

دیا کہ دل گیا کوئی پوچھے تو کیا کہون | یہ جانتا ہون دل ادھر آیا ادھر گیا

"دل" کا لفظ مصرع ثانی مین واقعی زائد ہے نہوتا تو اچھا ہوتا،

صیاد یون پرون مین گرہ باندھتے ہین کیا | بے درد بند بند کسی کا جکڑ گیا

"پرون مین گرہ باندھنا صحیح نہین" اس سے اگر یہ مقصود ہے کہ پرون مین گرہ باندھنا محاورۃً
صحیح نہین تو مجھے اس سے واقفیت نہین، لکھنؤ کے کبوتر باز اسکو بہتر جانتے ہونگے، اور اگر یہ مقصود
ہے کہ پرون مین گرہ باندھنے سے بند بند کیونکر جکڑ گیا؟ یہ تو صاف ہے اور اوسی کو شاعر
کہنا چاہتا ہے کہ صیاد نے پرون مین اس طرح گرہ باندھی ہے یعنی اس سنگدلی اور بیدردی سے
باندھی ہے کہ صرف پرون کے باندھنے سے مرغ اسیر کا بند بند جکڑ گیا ہے،

"نالہ رسا ہونا" اور "داستان آغاز کرنا" میرزا غالب کا تتبع ہے، اہل لکھنؤ کو یقیناً اسپر اعتراض
ہوگا مگر اختلاف ذوق کی مجبوری ہے،

یہ تو اعتراضات سے اختلاف تھا۔ اب حضرت نقاد کی ایک تحسین سے بھی مجھے اختلاف ہے،
اب انکو اوٹھتی ہے وہ جنبش ہوئی ہلکی سی مژگان کو | وہ چھیڑا چاہتے ہین نوکِ نشتر سے رگِ جان کو

"ہلکی سی مژگان ایک نہایت ہی جدید ترکیب، اور ایک نہایت ہی جدید استعارہ ہے اس کا
مشبہ بہ ہر لطیف ممتد چیز ہو سکتی ہے لیکن فانی نے مناسبتِ کلام سے نوک نشتر کو مشبہ بہ قرار دیا ہے"
میرے خیالِ ناقص مین یہ تمام مدح سرائی "بالکل بے معنی ہے" کیونکہ "ہلکی سی" کا تعلق "جنبش" سے
ہے، مژگان سے نہین۔ یعنی "اس مژگان کو ہلکی سی جنبش ہوئی" نہ یہ کہ "اس ہلکی سی مژگان کو جنبش
ہوئی"

مطبوعاتِ جدیدہ

منہاج المنطق، اب تو قدیم عربی علوم پر شاذ و نادر ہی کوئی کتاب اُردو مین لکھی جاتی ہے، ایسی حالت مین پیش نظر رسالہ بساغنیمت ہے، مولوی سید آقا رضا صاحب حیدر آبادی نے اس نام سے اُردو مین قدیم منطق پر یہ رسالہ سوال و جواب کے طرز مین لکھا ہے، طریقہ ادا اچھا ہوا، عبارت صاف اور اختصار کے ساتھ تمام مسائل پر احتوا ہے، امید ہے کہ منطق خوان طلبہ کو اس سے فائدہ پہنچیگا بڑی تقطیع کے ۵۲ صفحون پر یہ رسالہ ہے، قیمت ۸/ر پتہ :- مولوی کاظم علی صاحب منتظم دفتر صدر محاسبی سرکار عالی حیدر آباد دکن،

فلسفۂ اخلاق، پنجاب کے منشی فاضل اور منشی عالم کے امتحانات مین اخلاق جلالی کے کچھ ابواب داخل ہین، قدیم فلسفۂ اخلاق مین یہ فارسی کتاب اپنے اختصار اور اختصار کے ساتھ تمام مسائل پر احتوا کے لیے بہت مشہور ہے، ابو اللسان محمد سلیم صاحب منشی فاضل معلم ادبیات اُردو نارمل سکول امراؤتی (برار) نے داخل ابواب کا اُردو مین ترجمہ اور تحشیہ کیا ہے، مطالب کو اپنے طریق پر جدید انداز مین ادا کیا ہے، یعنی ترجمہ مین کتاب کی لفظی پابندی نہین کی ہے، جا بجا اپنی طرف سے حواشی چڑہائے ہین، ہر باب کے آخر مین طلبہ کے لیے سوالات لکھے ہین، یہ کتاب گو خاص مقصد سے لکھی گئی ہے لیکن ہمارے نزدیک عام اُردو دان اصحاب بھی جن کو قدیم فلسفۂ اخلاق کے متعلق کچھ جاننے کا شوق ہو اس سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہین، قیمت عہ/ر، مترجم سے نشان بالا پر ملے گی،

ہندوستانی، ہندوستانی زبان، جیسا کہ انگریز اُردو کہتے ہین، اوس کے قواعد و زباندانی پر انگریزی اُردو مین انگریزون کے اُردو سیکھنے کے لیے جناب منشی محمد اکبر خان صاحب حیدری نے یہ کتاب

تالیف کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ انگریزون مین یہ تالیف بیحد مقبول ہوئی ہے کیونکہ اسوقت پیش نظر نسخہ طبع پنجم ہے، منشی صاحب نے پہلے حروف ابجد بنائے ہین، پھر اُردو تلفظ بنایا ہے، پھر ریڈرون کے طریق پر کچھ الفاظ اوپر لکھ کر نیچے اونھین الفاظ سے فقرے بنائے ہین، اور انگریزی سے اُردو اور اُردو سے انگریزی کرنا سکھایا ہے، ساتھ ساتھ قواعد کی مشقی تعلیم بھی کی ہے، آخر مین کام کے ضروری اُردو لغات مع انگریزی ترجمہ کے لکھدیے ہین، کتاب ٹائپ مین عمدہ چھپی ہے، اور مجلد ہے صفحات ۱۹۴، قیمت ھ/ ، اور مع ضمیمہ ۱۲/ر، پتہ :- حیدری اور نٹیل بک ڈپو، اکبر منزل، دہلی،

ثالث بالخیر، یہ فسانہ ترکی سے جناب سید سجاد حیدر صاحب بی اے (یلدرم) کے قلم سے اُردو مین نقل ہوا ہے، یہ کتاب بہت پہلے شائع ہو چکی تھی اب اس کا طبع دوم دار الاشاعہ پنجاب لاہور نے شائع کیا ہے، ترکی افسانون کو سید صاحب جس حسن و خوبی سے اُردو کا لباس پہناتے ہین وہ مستغنی عن البیان ہے، ۲۰ صفحون کے ایک چھوٹے سے افسانہ مین اس ترکی ادیب (احمد حکمت) نے ترکونکی خانگی معاشرت کا نہایت لطیف و پر اثر منظر دکھایا ہے، قیمت ۲/ر پتہ، دار الاشاعۃ پنجاب، لاہور،

آئینۂ حرم، جناب زاہدہ خاتون شروانیہ مرحومہ بنت نواب مزمل اللہ خان صاحب بالقابہ جو اکثر اپنا نام ز، خ، ش لکھا کرتی تھین، ہماری تعلیم یافتہ حلقۂ خواتین مین علمی و ادبی حیثیت سے بہت بلند پایہ تھین، افسوس کہ مرحومہ نے چند مہینے ہوئے کہ کم عمری مین وفات پائی، اونکی اُردو نظمین نہایت پاکیزہ اور پر اثر ہوتی تھین اور عورتون کی اکثر نظمون کے برخلاف اغلاط اور عیوب سے پاک ہوتی تھین، اونکی فارسی لیاقت معمولی سے بہت زیادہ تھی زنانہ رسائل مین اکثر اور مردانہ رسالون مین گاہ گاہ اونکے نتائج افکار شائع ہوا کرتے تھے، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب ہر سال امیر خسرو کی یادگار مین ایک تحریری مشاعرہ کرتے ہین، اور غزلون کے انتخاب کے لیے ایک کمیٹی بناتے ہین، پچھلے سال کے مشاعرہ مین اونھون نے میرا نام بھی کمیٹی کے ممبرون مین رکھا تھا،

جہان تک یاد آتا ہے، میرے انتخاب مین خاتون مرحومہ کا دوسرا نمبر تھا، اوسوقت یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہ مجسمہٴ علم وعفاف اسقدر جلد مٹ جائیگا، بہرحال اب اونکی زندگی کی یادگار اونکے بھی اشعار مین، دارالاشاعۃ پنجاب نے انہین کا مجموعہ آئینہٴ حرم کے نام سے چھاپا ہے، قیمت ۱۰ / پتہ۔ دارالاشاعۃ پنجاب، لاہور،

ذکر خواجہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے حالات اور اون کی موجودہ خانقاہ درگاہ کے احوال مین جناب مقبول احمد صاحب نظامی نے یہ چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے، اور اچھا لکھا ہے، واقعات مستند تاریخی کتابون اور تذکرون سے جمع کیے ہین، قیمت ۸/ پتہ:۔ مولوی مقبول احمد صاحب نظامی، سیوہارہ ضلع بجنور،

ٹرکی مین عیسائیون کی حالت، یہ رسالہ ترکی انجمن تبلیغ نے یورپ مین شائع کیا تھا، مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، اور دارالاشاعۃ سیاسیات مشرقیہ دہلی نے اسکو شائع کیا ہے، رسالہ مستند حوالون سے لکھا گیا ہے اور نہایت پُر معلومات ہے، آخر مین ترکی شہرون کی قومی مردم شماری درج ہے، قیمت ۵/، پتہ:۔ دارالاشاعۃ سیاسیات مشرقیہ، دہلی،

خطبہٴ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ منعقدہ احمد آباد، ۳۰-دسمبر ۲۱ء از مولانا حسرت موہانی جسپر ۱۱ اپریل کو دفعہ ۱۲۴ الف کے ماتحت گرفتار کرکے مقدمہ چلایا گیا اور دو سال قید سخت کی سزا دی گئی۔ قیمت ۴/

یادگار وفا۔ انتخاب دیوان حکیم عبد الہادی خان مرحوم وفا رامپوری ۵/ **دیوان گستاخ**، کرامت اللہ خانصاحب مرحوم گستاخ رامپوری ۴/

دیوان میر حسن۔ صاحب مثنوی مشہور مرتبہ حسرت موہانی ۵/ **دیوان مصحفی**۔ مرتبہ حسرت موہانی ۴/

〃 **اشرف**۔ شاگرد نسیم دہلوی 〃 ۵/ 〃 **شیفتہ** تذکرہ شیفتہ 〃 ۴/

〃 **جرأت**۔ 〃 〃 ۵/ 〃 **قائم** چاندپوری 〃 ۴/

مجموعہ یعنی مثنوی سراپا سوز، اختر، اسرار محبت نواب محبت خان، مثنوی طلعت الشمس شمس لکھنوی مع حالات اختر محبت شمس از حسرت موہانی ۴/

المشتہر بیگم حسرت موہانی۔ حسرت روڈ کانپور،

جلد دہم	ماہ صفر ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۲ء	عدد چہارم

مضامین